اِنتخابِ مُومن

وقار عظیم

انتخاب مومن

انتخابِ مومن

مرتبہ
وقار عظیم ام-اے

اُردو مرکز
گنپت روڈ- لاہور

بار دوم	فروری ۱۹۵۶ء
تعداد طباعت	۱۰۰۰
تاریخ اشاعت	یکم جنوری [illegible]ء
کتابت	منشی عبدالقدیر خوشنویس
مطبوعہ	مشہور آفسٹ پریس - کراچی

قیمت مجلد دو روپے

اُردو اکیڈمی سندھ کراچی

عابدہ کے نام

تذکرہ

حکیم مومن خاں مومنؔ سنہ ۱۳۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں دہلی میں، کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا حکیم نامدار خاں شاہ عالم کے عہد میں کشمیر سے دہلی آئے تو بادشاہ نے انھیں شاہی طبیبوں میں داخل کر لیا۔ شاہی خدمات کے صلہ میں پرگنہ نارنول میں کچھ گاؤں جاگیر میں ملے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب جھجر کی ریاست نواب فیض طلب خاں کو دی تو نارنول کا پرگنہ بھی اسی کے ساتھ انھیں ملا۔ نواب صاحب نے حکیم نامدار خاں کی جاگیر کے بدلے میں اُن کے وارثوں کے لئے ایک ہزار روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی۔ اِس پنشن میں سے مومن خاں کو بھی کچھ حصہ ملتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بھی مومن خاں کے خاندان کے چار طبیبوں کو سَو روپیہ مہینہ پنشن ملتی تھی۔ ان میں سے ایک مومن خاں کے والد حکیم غلام نبی خاں تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ پنشن بھی مومن خاں کو ملنے لگی۔

حکیم غلام نبی خاں کو شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی سے حد درجہ ارادت تھی۔ اس لئے جب مومن خاں پیدا ہوئے تو شاہ صاحب موصوف ہی نے ان کا نام مومن خاں، رکھا۔ گھر والوں کو یہ نام پسند نہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا نام حبیب اللہ ہو۔ لیکن وہ نام چل نہ سکا اور مومن خاں، شاہ صاحب کے رکھے ہوئے نام سے مشہور ہوئے۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق مومن خاں کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائی شاہ عبدالقادرؒ کے پاس جانے لگے۔ اور درسیات کی تکمیل ان سے کی۔ شاہ عبدالقادرؒ کا خاندان مدتوں تک دلّی میں اپنے علم و فضل کے لئے مشہور رہا ہے اور اس لحاظ سے مومن بڑے خوش نصیب تھے کہ انھیں ایسے گھرانے میں تکمیل علوم کا موقع ملا۔ ایک تو استاد کا علم و فضل، دوسرے خود مومن کا شوق اور ذہانت۔ دونوں چیزوں نے مل کر مومن کے علم کی تکمیل کی اور تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ علم و فضل میں ان کے ہم عصر غالب اور ذوق بھی ان سے بہت پیچھے ہیں۔ درسیات کی تکمیل کے بعد مومن نے اپنے والد حکیم غلام نبی خاں اور چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ اپنے آبائی مطب میں بیٹھ کر نسخہ نویسی کرتے رہنے اور پھر خود طبابت شروع کی۔ لیکن ان کی

بے قرار طبیعت بھلا ایک چیز پر کب جمنے دیتی — نجوم کی طرف رجوع ہوئے اور اس میں بھی ایسا کمال بہم پہنچایا کہ اُن کا شمار اپنے زمانہ کے بہت اچھے منجموں میں ہونے لگا۔ تذکروں میں اِس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں جن سے اِن کی نجوم دانی کے کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔

طب اور نجوم میں مومن کو جو دستگاہ حاصل تھی اُس سے دلّی والوں نے اُن کی زندگی میں فیض اُٹھایا، لیکن ان دونوں فنوں نے اُردو شاعری کو بھی بعض ایسی چیزیں دی ہیں جو مومن کے نام کے ساتھ زندہ رہیں گی۔ مومن کی جن مثنویوں کو اُن کی حیاتِ رنگین کی تصویر کہا جاتا ہے وہ اصل میں مومن کی حکمت اور طبابت کے فیض اثر سے ہمیں ملی ہیں۔ انھیں مثنویوں میں سے ایک کے چند شعر یہ ہیں :-

میں نے اُس نبض پر جو ہاتھ دھرا　　ہاتھ سے میرے دل ہی چلا

کیا لگا دستِ دل آرام سے ہاتھ　　دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ

کس کے ہاتھوں سے لگا تھا کہ جُدا　　نہیں ہوتا دلِ ناکام سے ہاتھ

یہاں حکیم مومن خاں، شاعر مومن کے لباس میں جلوہ گر ہیں اور

اس مشہور شعر میں ؎

اِن نصیبوں پر کیا اختر شناس　　آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

مومنؔ کی نجوم دانی اور اختر شناسی کی طرف اشارہ ہے۔

مختصر طور پر حیاتِ مومن کا خلاصہ یہ ہے کہ انھیں طبابت، اپنے خاندانی تعلق اور نسبت کی وجہ سے ملی۔ اختر شناسی سے ان کی بچپن طبیعت نے روشناس کرایا۔ مزاج کی رنگین آفتادنے انھیں عاشق بنایا، اور حسن وعشق کی گودوں میں پلی ہوئی زندگی نے ان کی شاعری کو وہ رنگین تغزل دیا، جس کے مومن بلا شرکتِ غیرے مالک ہیں۔ مومن کی مثنویاں، ان کے داسوخت اور ان کی غزلیں اسی رنگینیٔ طبع کی مسلسل اور غیر مسلسل داستانیں اور تصویریں ہیں۔

مومن کی ظاہری وضع قطع کا ذکر آزادؔ نے اس طرح کیا ہے "رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع، خوش لباس، کشیدہ قامت، سبزہ رنگ، سر پر لمبے لمبے گھونگروالے بال، جن میں ہر وقت انگلیوں سے کنگھی کیا کرتے تھے بلمل کا انگرکھا، ڈھیلے ڈھیلے پائینچے، اس میں لال نیفہ بھی ہوتا تھا۔"

"مشاعروں میں غزل ایسی دردناک آواز سے دل پذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے کہ مشاعرہ وجد کرتا تھا۔"

مومن شاعر تھے، لیکن اُنھوں نے شاعری کو کبھی اپنے لئے معاش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ خود دار اس درجہ تھے کہ زندگی بھر کسی کا احسان نہ لیا اور نہ کبھی دنیاوی جاہ کی لالچ میں دلّی چھوڑ کر کہیں گئے۔ چار پانچ مرتبہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے لئے رامپور، بدایوں، سہسوان، سہارنپور اور جہانگیر آباد گئے ۔ راجہ کپور تھلہ نے انھیں ساڑھے تین سو روپیہ مہینہ تنخواہ پر اپنی ریاست میں بلانا چاہا اور ایک ہزار روپیہ سفرخرچ کے لئے بھیجا، لیکن یہ وہاں نہ گئے۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج کی پروفیسری پر بلائے گئے لیکن نہ گئے۔ ٹونک کے نواب وزیرالدولہ بہادر ان کے پیر بھائی تھے۔ اُنھوں نے بھی مومن کو اپنے یہاں بلایا لیکن اُنھوں نے معذرت کر دی اور جواب میں یہ قصیدہ لکھ کر بھیج دیا۔ ؎

یاد ایامِ عشرتِ فانی　　نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

مومن کے دیوان میں کل نو قصیدے ہیں۔ ایک حمد میں، ایک نعت میں، پانچ منقبت میں اور دو مدح میں۔ مدحیہ قصیدوں میں پہلا تو یہی ہے جو اُنہوں نے ٹونک نہ جانے کی معذرت میں وزیرالدولہ بہادر کو لکھ کر بھیجا تھا۔ دوسرا قصیدہ پٹیالہ کے راجہ اجیت سنگھ کی شان میں ہے۔ اس قصیدے کی شانِ نزول یہ ہے کہ راجہ صاحب دلّی میں رہتے تھے ایک دن اپنے مصاحبوں کے ساتھ اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے۔ مومن اُدھر

سے گذرے تو لوگوں نے راجہ صاحب کو بتایا کہ مومن یہی ہیں۔ راجہ صاحب کو اشتیاق پہلے ہی سے تھا۔ ایک آدمی کو بھیج کر انھیں بلایا اور بڑی عزت سے پیش آئے۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ جب مومن رخصت ہونے لگے تو راجہ صاحب نے انھیں ہتھنی پر رخصت کیا اور وہ انھیں کو دے دی۔ اس کے شکریہ میں مومن نے قصیدہ لکھا۔ اس کا مطلع ہے۔

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری کثرتِ دود سے سیاہ شعلۂ شمع خاوری

ان دو قصیدوں کے علاوہ، جو دو خاص موقعوں پر لکھے گئے، ان کے دیوان میں ایک شعر بھی ایسا نہیں جو کسی کی مدح میں لکھا گیا ہو جس طرح کسی کی مدح لکھ کر اپنی خودداری کو ٹھیس نہ لگنے دی، اسی طرح کسی کی ہجو سے بھی اپنے قلم کو آلودہ نہیں کیا۔ ان کا سب سے بڑا ممدوح تو ان کا محبوب ہے۔

مومن کی زندگی کے رنگین پہلو کے علاوہ ایک اور پہلو بھی ہے جس کی جھلک نمایاں طور پر ان کے کلام میں موجود ہے۔ مومن خاں، شاہ سید احمد بریلوی کے مرید تھے۔ شاہ صاحب موصوف نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں ایک زبردست سیاسی تحریک کی بنیاد ڈالی تھی۔ مومن بھی سیاسی اور روحانی حیثیت سے ان کے

خاص بہرہ ور تھے۔ اور اس خاص معاملہ میں خاصے جوش اور غلو سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اُن کے قصیدوں میں، اور بعض مثنویوں میں اسی جوش نے ذرا تلخ اور تیز صورت اختیار کر لی ہے۔ اور یہی تلخی اور تیزی ہے جس نے اُن کے اپنے زمانہ میں اُن کے کلام کو مقبول نہیں ہونے دیا۔

مومن خاں کی شادی خواجہ محمد نصیر رنج (جو خواجہ میر درد کے نواسے اور سجادہ نشین میر کلّو کے بیٹے تھے) کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ ۱۸۵۹ء میں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ لیکن صرف چار برس کی عمر میں اللہ کو پیاری ہوئی۔ آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ اُن کے ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام احمد نصیر خاں تھا۔

مومن کی عمر ۵۲ سال کی تھی کہ وہ کوٹھے سے گر پڑے۔ اور گرنے کے پانچ مہینے بعد ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں انتقال ہوا۔ دلّی دروازے کے باہر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

ایک اُردو کلیات، انشائے فارسی، اور فارسی دیوان، مومن کی تصانیف ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے فارسی کے کلام کی بھی تعریف لکھی ہے اور بتایا ہے کہ جو خوبیاں اُن کے اُردو کے کلام میں ہیں وہی فارسی کے کلام میں بھی موجود ہیں۔

مومن کے شاگردوں میں شیفتہ، نسیم، برق، وحشت، قلق

اور تسکین مشہور ہیں۔ ان میں بھی خاص کر شیفتہ کو اپنے علم و فضل اور
تسلیم کو اپنے خاص رنگ شاعری کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہے۔

تبصرہ

مومن کے شاعرانہ مرتبہ کے تعین میں بڑی افراط تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک بہت بڑے تذکرہ نگار نے مومن اور اُن کی شاعری کو اِس قابل بھی نہیں سمجھا تھا کہ اُسے اُردو نظم اور شاعری کی تاریخ میں کوئی جگہ دیتے۔ چنانچہ اس فروگذاشت کی تلافی کے لئے بہت سی شاعرانہ تاویلوں کی جستجو کی ضرورت پڑی۔ یہ تفریط تھی۔ اور افراط یہ کہ مومن کے بعض قدر دانوں نے انھیں رشکِ غالب بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں طرح کی رایوں میں جذبات کی رنگینی سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔ مومن نہ غالب کے ہمسر بن سکتے ہیں اور نہ انھیں اس کی ضرورت ہے۔ غالب کا فلسفیانہ تخیل اور اُن کا حکیمانہ اندازِ بیان مومن کے یہاں نام کو بھی نہیں۔ لیکن جو کچھ مومن کے پاس ہے اُس سے غالب محروم ہیں۔ مومن کا تغزل صرف مومن کا حصّہ ہے۔ اسی تغزل نے مومن کو مومن بنایا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس تغزل کے بنیادی عناصر تقریباً وہی ہیں جو ہر اُردو کے شاعر کی غزل کے۔ اِس لحاظ سے میر، جرأت،

غالب، داغ اور مومن میں ذرا بھی فرق نہیں۔ اُن کی غزلوں میں وہی روایتی مثلث ہے جس کے ضلعے عاشق، محبوب اور رقیب کی شخصیتیں ہیں۔ پھر بھی دوسروں میں اور مومن میں فرق ہے۔ یہی فرق ہے جس نے مومن کو امتیاز دیا ہے۔ اور یہی امتیاز مومن کے نام اور اُن کے کلام کے لئے بقائے دوام کی ضمانت ہے۔

اُردو شاعری، یا یوں کہئے کہ اُردو غزل کی دو سو برس کی تاریخ (شمالی ہند میں) میں ہزاروں غزل گو شاعر ہیں۔ اور ان ہزاروں میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی غزلوں میں فن کے رسوم اور شاعرانہ روایات کی سخت پابندی کے باوجود کچھ ایسی باتیں ہیں جو اُن کے مخصوص رنگ کی غماز بن جاتی ہیں۔ ولی، میر، درد، سودا، میر حسن، جرأت، آتش، غالب، داغ، اصغر، جگر، فانی، حسرت لاکھ پردوں میں چھپیں پھر بھی پہچانے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر شاعر نے جب غزل کہی ہے تو سب سے پہلی چیز یہ کی ہے کہ مذہبی عقیدتمندی کے ساتھ فن کی رسوم اور شاعری کی روایات کی پابندی کو اپنا دین ایمان جانا ہے۔ ہر ایک کے یہاں گل و بلبل بھی ہے اور جام و مینا بھی۔ ہاں، اس گل و بلبل اور جام و مے کے ساتھ ایک چیز اور بھی ہے۔ شاعر کی اپنی مخصوص زندگی، اپنے جذبات اپنے سوچنے کا ایک خاص انداز اور بعض صورتوں میں اُس کا ایک خاص

طرح کا ماحول ۔ یہ دوسری چیز بھی ہر ایک کے ساتھ ہے ۔ اور اِس دوسری چیز نے ، پہلی چیز پر خاصا گہرا اثر ڈالا ہے ۔ شاعر نے شاعری کی روایات کی پابندی کرکے بھی اکثر جگہ اپنی انفرادی شان قائم رکھی ہے کم از کم میرؔ، سوداؔ، آتشؔ، غالبؔ اور داغؔ کے یہاں (یہ فہرست یہیں نہیں ختم ہو جاتی ۔ اِس میں بہت سے ناموں کے شامل کرنے کی گنجائش ہے) شاعرانہ روایتوں کی پابندی کے باوجود ایک انفرادی شان ہے لیکن اس سے انکار کرنا دشوار ہے کہ یہ انفرادیت بھی ہر جگہ رسمی اشاروں کنایوں کی زنجیروں میں اسیر ہے ۔ ہمارے غزلوں کے صدہا دیوانوں میں تغزل کی جو شوخیاں ، رنگینیاں اور درد ، اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی جو تاثیر اور تڑپ ہے اُس میں خلوص بہت کم جگہ ہے ۔ شاعروں نے ان غزلوں میں جو مختلف طرح کے جذبات نظم کئے ہیں اُن میں اکثر جگہ خلوص کی کمی محسوس ہوتی ہے ۔ مومنؔ اُردو کے تنہا غزل گو شاعر ہیں جن کے رنگِ تغزل میں ہر جگہ خلوص اور سچائی ہے ۔ بظاہر یہ دعویٰ بہت بڑا ہے ۔ اور اس کے سُنتے ہی ہر طرف سے سوالوں کی یورش شروع ہو سکتی ہے لیکن یہ کہتے وقت کہ "مومن اُردو کے تنہا غزل گو شاعر ہیں ، جن کے رنگِ تغزل میں ہر جگہ خلوص اور سچائی ہے" میرے ذہن میں تغزل کا وہی خاص مفہوم ہے جو عاشق ، محبوب اور رقیب کے تعلقات میں

گھرا ہوا ہے۔ غزلوں میں اِس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے،
لیکن میں اُسے تغزل نہیں کہتا۔ اور اسی لئے یہ دعویٰ کرتے وقت
میری نظر میں تیرؔ، غالبؔ اور آتشؔ کی غزلوں کی عظمت مومنؔ کی غزلوں
سے زیادہ ہے جس چیز کا نام تغزل ہے اُس کی کمی تیرؔ، غالبؔ اور
آتشؔ کے یہاں بھی نہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا یہ تغزل اکثر
صورتوں میں محض رسمی اور روایتی ہے۔ تیرؔ، غالبؔ اور آتشؔ، اپنی
شاعرانہ ہمہ گیری کے باوجود تغزل کو اکثر ان کی رسمی اور روایتی قیدوں سے
باہر نہیں نکال سکے۔ یہ کام سب سے پہلے مومنؔ نے کیا۔ اور اس طرح
کیا کہ یہ اُن کا رنگِ خاص بن گیا۔ اس میں اُن کا کوئی شریک نہیں۔
مومنؔ کی غزلوں میں عشق کی داستان، گل و بلبل، شمع اور پروانے اور
ساقی اور بادہ کی زبان سے بیان نہیں کی گئی۔ اُن کی رشک پسند
طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ اپنے عشق کی کہانی ان بیاموں کی زبانی
دوسروں تک پہنچائیں۔ اور اس لئے چند گنے چنے شعروں کو چھوڑ کر،
جن میں یہ اشارے برائے نام موجود ہیں، اُن کے اچھے شعروں میں یہ
بات نہیں، مومنؔ کی غزلیں ان روایتی اشاروں سے بالکل پاک ہیں۔
ایک ایسے زمانہ میں جب شاعری نام ہی اس بات کا تھا کہ شاعر کچھ مقررہ
روایتوں کی ڈگر پر چلتا رہے، ایک ایسی چیز سے بچنا جو شاعری کی رگ

پے میں سرایت کر چکی تھی، ایک غیر معمولی بات ہے۔ مومن نے
یہ غیر معمولی بات کی اور میرے نزدیک صرف اس لئے کی کہ اُن کے
عشق میں خلوص اور سچائی ہے۔ وہ محض رسمی نہیں۔ مومن کے عشق کی
یہ امتیازی شان ہے جس نے اُن کے رنگِ تغزل میں پُر خلوص آرٹ
کی ساری رعنائی اور تاثیر پیدا کی ہے۔

اُردو کے بعض اور غزل گو شاعروں کے یہاں بھی تغزل کا یہی خلوص
ہے۔ متوسطین میں جرأت کے یہاں اور متاخرین میں داغ کے یہاں۔
لیکن ان میں اور مومن میں فرق ہے۔ اوّل تو جرأت اور داغ دونوں
خاصی حد تک روایتی اشاروں کنایوں اور تشبیہوں کے فریب میں مبتلا
ہیں۔ دوسرے ان کے پر خلوص تغزل میں اکثر جگہ ایک ایسے محبوب کی
جھلک نظر آتی ہے جو اپنی ساری محبوبیوں کے باوجود ہر "اہلِ نظر" کی
آنکھ کا سرمہ اور ہر "صاحب دل" کے زخموں کا مرہم ہے۔ یہ محبوب۔
ہرجائی بھی ہے اور اکثر جگہ اس میں کسی شاہد بازاری کی بے باکیوں کا
پرتو ہے۔ مومن کا محبوب بھی "پردہ نشین" ہونے کے باوجود بہت کچھ
اس سے ملتا جلتا ہے لیکن مومن کے عشق نے اس کی سطح کو بہت اونچا
کر دیا ہے۔ اُس کی عشوہ سازی میں بھی ایک ایسی بات ہے جو اسے
اس نچلی سطح سے اٹھاکر آنکھوں میں جگہ دیتی ہے۔ اس میں ایک طرح کا رکھ

رکھاؤ، اور روک تھام ہے، ایک شانِ بے نیازی اور احساسِ برتری ہے۔ مومن کے عشق کو محبوب کی بے نیازیوں سے شکوہ ضرور ہے لیکن اس شکوہ میں پردہ داری کا جذبہ غالب ہے۔ اُن کا محبوب جسمانی حیثیت سے بے پردہ ہو کر کبھی ہمارے سامنے نہیں آتا۔ اور ان سب چیزوں نے مل کر اُسے جرأت اور داغ کے محبوب سے بالکل مختلف بنا دیا ہے۔

مومن کے عشق میں اکثر جگہ انسانی جذبات کی اُس کیفیت کی ترجمانی ہے جس میں غرض مندی پر بھی خود داری کا ہلکا سا پردہ ہے۔ اپنی بے کلی اور بے قراری میں بھی محبوب کی بے نیازی اور اس کی شانِ محبوبی کا پاس باقی ہر چیز سے زیادہ ہے مثلاً مومن کے اِن شعروں میں ؎

پشیماں آئے ہیں وہ لاش پر اب   تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

موئے آغازِ اُلفت میں ہم افسوس   اِسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

کیا علاج اب علاجِ بے قراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا

لذّتِ جورکشی نے مجھے شرمندہ کیا   ملنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں

کیونکہ اُمید وفا سے ہو تسلّی دل کو   فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خوابِ ناز میں   ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں

عاشق نے اپنی ساری زندگی غم عشق میں کاٹی۔ اور اس غم عشق کا انجام یہ ہوا کہ موت آئی اور اُس نے اس غم سے نجات دلائی۔ محبوب کو خبر ہوئی کہ ہمارا ایک عاشق اس دُنیا سے چل بسا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس لئے دوڑا ہوا عاشق کی لاش پر آیا۔ یہ موقع ایسا ہے کہ عاشق کو اپنے دل میں خوش ہونا چاہئے تھا کہ اچھا ہوا، اُنھیں اپنے کئے کی سزا ملی۔ اب پشیمانی اُنھیں چین نہ لینے دے گی۔ لیکن عشق کی سچائی، محبوب کو پشیمان نہیں دیکھ سکتی اور اسی لئے اُس کی زبان سے بیساختہ یہ مجبوری کے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ ع

تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

دوسرے شعر میں بھی یہ جذبہ کارفرما ہے۔ عاشق کو مرکر غم عشق سے رُستگاری تو مل گئی، لیکن خلش کا کیا علاج کہ "اُسے بھی وہ گئی حسرت جفا کی"۔

تیسرے شعر میں بھی خجالت کی وجہ یہی ہے کہ محبوب نے عاشق کے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا اور شاید اس دعوے کے ساتھ ہاتھ رکھا کہ اُس کی بے قراری جاتی رہے گی، لیکن بُرا ہوا اس بے قرار دل کا کہ وہ اب بھی دھڑکتا رہا۔ اور اس طرح محبوب کا دعویٰ گویا باطل ہو گیا۔ اس سے اُسے شرمندگی ہوئی، لیکن عاشق اس لئے خجل ہے کہ اُس کی اس شرمندگی کی ذمہ داری اس کی اپنی بے قراری پر ہے۔

آخر کے تین شعروں میں، محبوب نے جو کچھ کیا اُس میں عاشق کے لئے لذّت بھی تھی اور دل کی تسلّی اور سکون بھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جگہ یہ احساس بھی غالب ہے کہ جو کچھ میرے لئے لذّت ہے، جس میں میرے لئے تسلّی اور سکون ہے، اس میں محبوب کے لئے بھی تھوڑی سی تکلیف ہے اور اسی لئے ایک طرف تو اپنی لذّتِ خود کشی سے شرمندہ ہے، دوسری طرف اُسے محبوب کے وعدے پر پشیمانی کا خیال ہے اور پھر یہ کہ اُس کے خوابِ ناز میں خلل نہ پڑے خواہ، شبِ درازِ غم کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو جائے۔

مومنؔ کے عشق میں وہ ساری بے قراری، تڑپ اور بے کلی موجود ہے جو عشق کی فطرت ہے۔ اس میں محبوب کی بے نیازیوں کا شکوہ بھی ہے، اُس پر تلخی بھی ہے، لیکن اس عشق نے رقیب کو اپنا راز دار بھی بنایا ہے،

اُسے اپنا پیامی بھی بنایا ہے، اور اُس میں اور اپنے آپ میں کچھ باتوں کو مشترک جان کر اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا ہے۔ اُس کی لڑائی میں بھی صلح کی چاشنی موجود ہے۔ اور اُس کے لئے کوئی ناگوار لفظ تو شاید اس عشق کے پاس ہے ہی نہیں۔ ہاں طنز کی کمی اُس کے لئے بھی نہیں۔ لیکن اس طنز میں بھی خودداری کی ایک شان اور پاس وضع ہے۔ وہ ہاتھا پائی یا گالی گلوچ نہیں جو بوالہوسی کا طرۂ امتیاز ہے۔ مومن اور رقیب کے تعلقات کا ایک ہلکا سا پر تو ان شعروں میں ملاحظہ کیجئے۔

تئیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہئے دل اپنے رازداں کے لئے

وہ حالِ زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی　　تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

بے وفائی ہے سرشت اُس کی سو وہ ہم میں کہاں
ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہو گیا

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا　　غیر سے جائے ہے پیام مرا

یا یہ دو شعر ؎

ہے شبِ وصلِ غیر بھی کاٹی تو مجھے آزمائے گا کب تک

غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ

آرزوہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں

عاشق کے لئے عشق میں اس سے زیادہ تلخ اور ناگوار حقیقت اور کوئی نہیں کہ وہ اپنے محبوب کو رقیب کی طرف ملتفت دیکھے یا جو شبِ وصل اُس کی ہونی چاہئے، وہ دوسرے کی بنے لیکن مومن نے اس تلخ حقیقت کے اظہار میں بھی بیان کے رکھ رکھاؤ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

ایک تیسری چیز اور ہے جو مومن کے دنیاوی عشق کو عام سطح سے اونچا کرتی ہے۔ مومن نے عشق اور ایمان میں ایک ایسا جذباتی تعلق پیدا کیا ہے جس سے اُن کا دنیاوی عشق، اکثر جگہ ایمان کا ہم پلّہ بن گیا ہے۔ وہ مومن رہ کر بھی عشق کا کافر بننے کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں اور عشق اور ایمان کی کشمکش میں اکثر جگہ عشق ہی کی جیت ہوتی ہے اور جہاں کہیں ایمان کا جذبہ عشق پر غالب آگیا ہے وہاں اُس کے اظہار میں بڑی نرمی ہے۔ مومن نے اس دشوار منزل کو کس کس طرح طے کیا ہے اس کا اندازہ کچھ مثالوں سے زیادہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ؎

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں ہی کچھ اب تو کفرِ مومن دیندار کم ہوا

چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدۂ کعبہ میں نکر خاک میں ظالم نہ یوں قشقہ جبیں سائی ملا

مومن دیندار نے کی بت پرستی اختیار ایک شیخِ وقت تھا سو بھی برہمن ہوگیا

سچ تو یہ ہی کہ اُس بت کا فر کے دور میں لاف و گزافِ مومنِ دیندار ہے غلط

عرضِ ایماں سے مدّ ِ اس غارتگرِ دیں کی بڑھی تجھسے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

مومن کے عشق کی صحیح سطح کا اندازہ کرنے کے لیے جو مثالیں پیش کی گئیں اُن سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ شاید میں اس عشق میں روحانیت کے جلوے دیکھ رہا ہوں، یا مجھے اس "مجاز" میں "حقیقت" کی جھلک دکھانی مقصود ہے۔ جی نہیں! مومن کے عشق کے متعلق اتنی اونچی اونچی باتوں کا تصور ہی ایک عجیب و غریب سی بات ہے۔ مومن کا عشق، ہماری آپ کی دنیا میں رہنے والے ایک رنگین مزاج اور شوخ طرح عاشق کا عشق ہے۔ اُس میں دنیا والوں کی سی ساری باتیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے

کہ اِس عاشق نے اِس خالص دنیاوی اور مجازی عشق کو، جس میں لہو و ہوس کے سوا اور کچھ نہیں اپنے لب ولہجہ سے اپنے اندازِ بیان کے لطیف اشاروں اور کنایوں سے اسے زمین کی پستی سے اُٹھا کر ذرا اونچا کر دیا ہے۔ ورنہ کبھی کبھی اس عشق کے جذبات کو بھی جب حد درجہ کی ٹھیس لگتی ہے تو وہ ایسی ایسی باتیں کہ جاتا ہے کہ اُس کے متعلق "روحانیت" یا "حقیقت" کا حسنِ ظن پیدا بھی ہو جائے تو فوراً رخصت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ؎

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس　　ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے

(یا ؎)

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے　　تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

(اور ؎)

اب اور سے لو لگائیں گے ہم　　جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

عشق اُس فطرت کی ترجمانی کرتا ہے جس پر انسانی جذبات کا پرتو ہے۔ وہ جذبات جو مادی دُنیا کی ٹھوس اور تلخ حقیقتوں سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے سارے اونچے اونچے دعووں کو خس و خاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں۔ مومن کے عشق کے اِس فطری اور

ارضی پہلو کی ترجمانی طرزِ فکر اور طرزِ بیان کے اُن طریقوں سے بھی ہوتی ہے جن سے مومنؔ نے اپنی شاعری میں کام لیا ہے۔ ان طریقوں میں سب سے نمایاں حیثیت اُن کی طنز کو حاصل ہے۔ طنز ادبی فن کا ایک ایسا حربہ ہے جسے اُردو کے غزل گو شاعروں میں سے کسی نے بھی اتنے سلیقہ اور لطافت سے استعمال نہیں کیا جیسے مومنؔ نے۔ انسان اپنے دل کا بخار نکالنے کے لئے جتنے حربے استعمال کرتا ہے وہ اَن گنت ہیں۔ اُن سارے حربوں کو چھوڑ کر جن سے انسان کو جسمانی اذیت پہنچتی ہے، ایسے حربے بھی کم نہیں ہیں جن میں صرف زبان کے اسلحہ کو دخل ہوتا ہے۔ زبان سے نکلی ہوئی اِن باتوں کے انداز اپنی قسموں میں اتنے مختلف اور تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ ادب اور فن نے اِن کے مفہوم کی وضاحت کے لئے بیسیوں نام وضع کئے ہیں۔ گالی گلوچ، بولی ٹھولی، طعن تشنیع، آوازہ، پھبتی، ہجو اور بہت سو ناموں میں سے چند ہیں۔ اُنہی بہت سی چیزوں میں سے ایک طنز ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ طنز کے علاوہ باقی جتنی چیزیں ہیں ان میں کسی نہ کسی حد تک ابتذال ضرور موجود ہے۔ طنز کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ مبتذل، عامیانہ اور سوقیانہ نہیں ہوتی۔ اس کے مفہوم میں گہرائی ہوتی ہے، لطافت ہوتی ہے۔ یہ انسان کو کسی حد تک فکر پر مائل

کرتی ہے اور اس فکر کے بعد نظر کے سامنے جو کچھ آتا ہے اس میں ایک خاص طرح کی ذہنی لذّت ہوتی ہے۔ جو چیز لطافت سے خالی ہے، جس سے ذہن کو لذّت نہیں حاصل ہوتی، جہاں تھوڑے سے لفظ بہت سی بات نہیں کہتے وہ طنز نہیں، کچھ اور ہے۔ طنز کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بات کہنے والا اُس میں نشتروں کی تیزی پیدا کرتا ہے، اور یہ تیزی اُس کے دل کے پار ہو جاتی ہے جو اُس کا نشانہ بنے، پھر بھی اُس کے لگائے ہوئے زخموں سے لہو نہیں ٹپکتا۔ طنز پردہ در ہونے کے باوجود پردہ دار ہوتی ہے۔ مومن نے اپنے دل کی باتیں کہنے کے لئے ادب اور فن کے اس لطیف حربہ سے کام لیا ہے۔ اور یہ حربہ اُن کے حسنِ تغزّل کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ طنز کا مخاطب عموماً محبوب ہے۔ اور اس سے کچھ کہتے وقت اُن کی طنز نے تین مختلف منزلوں میں سفر کیا ہے۔ پہلی منزل تو وہ ہے جس میں عاشق اپنے محبوب کے لئے ایسی صفات استعمال کرتا ہے، جن سے اُس کے دل کی تلخی ٹپکتی ہے۔ صفات وہی عام ہیں جو اُردو شاعری کے رسمی محبوب کے لئے استعمال ہوتی ہیں، لیکن یہاں اُنھیں عام لفظوں میں ایک ایسی خصوصیت ہے کہ وہ رسمی نہیں معلوم ہوتے مثلاً

کیا سُناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا   تم سے دشمن کی مبارکباد کیا

ان شعروں میں شاعر نے محبوب کے لئے بے رحم اور دشمن کے جو لفظ استعمال کئے ہیں اُن میں کتنا زہر ہے لیکن بعض شعر ایسے بھی ہیں جن میں محبوب کے لئے اس طرح کی کوئی صفت تو استعمال نہیں کی گئی، لیکن جو بات کہی گئی ہے اُس میں اُسی درجہ تیزی اور تلخی ہے۔ مثلاً ۵

مجھ پہ بعد امتحاں بھی جو رحم کیونکر کریں   وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیونکر کریں

——— (یا ۵) ———

ہنوز نہ تم تو مرے حال پر ہیں وہ ذلیل   کہ جبکی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

ان دو شعروں میں محبت کی پوری داستان نظم ہے۔ شعر پڑھتے ہی نظر کے سامنے بیسیوں منظر پھرنے لگتے ہیں۔ ایک طرف عاشق ہے، دوسری طرف محبوب، ایک طرف طلب صادق ہے اور دوسری طرف ناز و انداز۔ عاشق جب محبوب سے اُس کے ظلم و ستم کا شکوہ کرتا ہے تو وہ شانِ بے نیازی سے مسکرا کر جواب دے دیتا ہے کہ یہ تو تمہارا امتحان ہے۔ ساری زندگی اسی میں گذر جاتی ہے۔ محبوب کا ظلم و ستم، عاشق کا شکوہ اور محبوب کا وہی جواب کہ" یہ تو تمہارا امتحان ہے"۔ لیکن ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہے۔ عاشق اس "عذرِ امتحانِ جذبِ دل" سے تنگ آچکا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ باتیں ہی

باتیں ہیں امتحان تو محض ایک بہانہ ہے۔ پھر عاشق رقیب کی جانب اُن کے التفات سے بھی بے خبر نہیں اور اسی لئے اپنی زندگی کی ساری داستان طنز کے ایک نشتر میں کھول کر رکھ دی۔ ع

وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں

یا پھر یہ کہ عاشق نے اپنی زندگی کا سب کچھ عشق پر نثار کر دیا۔ اور دُنیا اُسے "بے ننگ و نام"، کہنے لگی۔ لیکن اُسے دُنیا کی پرواہ ہی کب ہے۔ وہ سُنتا ہے اور چپ ہو رہتا ہے۔ لیکن جب محبوب کی زبان سے ایک مرتبہ وہی بات سن پاتا ہے تو اُس کی دبی ہوئی آگ سُلگ اُٹھتی ہے، چنگاری شعلہ بن کر بھڑکتی ہے اور وہ اپنی طنز کی ساری گرمی کا نشانہ محبوب کو بناتا ہے کہ ؎

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں وہ ذلیل کہ جسکی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

طنز کی دوسری منزل وہ ہے جب شاعر کے لفظوں میں وہ تیزی و تندی اور تلخی باقی نہیں۔ لیکن باتیں میں زیادہ گہرائی پیدا ہو چکی ہے وہ محبوب کے سارے بھیدوں سے واقف ہے، اُسے اُس کی کمزوریوں کا علم ہے۔ وہ اُس کے ایک اشارے کا مطلب سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ اب اِن کی رگ میرے ہاتھ میں ہے۔ اب تیزی اور تلخی کی ضرورت ہی باقی نہیں۔ اب تو ہنس ہنس کر باتیں سُنائی جا سکتی

ہیں۔ چنانچہ اُس کی طنز کا انداز بدل جاتا ہے۔ ؎

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم　　کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

بات وہی ہے کہ "وہ ستائیں غیر کو، ایسا ستم کیونکر کریں" لیکن اب اُس کے انداز میں بہت فرق ہے۔ اب وہی بات ہنسی میں کہی جاتی ہے کہ "کبھی محبت دشمن کا امتحاں نہ ہوا" لیکن تاثیر اس میں زیادہ ہے۔

ایک دوسرا شعر ہے۔ ؎

غیر ہے بے وفا یہ تم تو کہو　　ہے ارادہ نباہ کا کب تک

(یا ؎)

مجھ رمز شناس سے یہ باتیں　　کیا خوب، میں غیر سے بُرا ہوں

(یا پھر یہ شعر ؎)

جن سے منظور وفا ہے، ہو جفا بھی اُن پر

مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

یہ طنز کی وہ منزل ہے جس میں پہنچ کر طنز کرنے والا ہنسی ہنسی میں اپنے دل کی ساری بات کہہ جاتا ہے، طنز کا نشتر اس خاموشی سے اپنا اثر کرتا ہے کہ اس کے دل کی چنگاری دوسرے کے دل کی چنگاری بن جاتی ہے۔ تیسری منزل اس سے بھی زیادہ لطیف اور نازک ہے۔ یہاں

پہنچ کر زبان میں اور زیادہ تری، اور زیادہ گھلاوٹ، اور بھی زیادہ گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ طنز کرنے والا عاشق محبوب کا ہم خیال اور ہم نوا ہے۔ اُس کی ہر بات کو سراہتا ہے، اُس نے جو کچھ کیا ہے، اُس کے لئے تاویلیں تلاش کرتا ہے اور بڑی خاموشی سے اپنے دل کی بات کہہ کر جیسے اُسے بھول جاتا ہے لیکن جس سے وہ بات کہی جاتی ہے، اُس کی آنکھوں کی نیند لے اُڑتی ہے۔ ان لفظوں کے پیچھے سننے والے کو نہ جانے کتنی داستانیں رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ماضی، حال بن جاتا ہے اور پوچھنے والا سوچتا ہے کہ سچ مچ جو کچھ میں نے کیا اِس میں تو میرا ہی اپنا نقصان ہے۔ وہ کیسے لیجئے سُنئے۔ ؎

رحم فلک اور مرے حال پر — تو نے کرم اے ستم آرا کیا

ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب — غیر اور تم بھلے، بھلا صاحب
ستم آزار، ظلم و جور و جفا — جو کیا سو بھلا کیا صاحب

واقعی سجدۂ در ایسی ہی تقصیر ہے اب — جَور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

رشکِ دشمن بہانہ تھا، سچ ہے   میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

آپ مجھ سے نباہیں گے، سچ ہے   باوفا حسن و بے وفا ہے عشق

میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو   کہیں دامان تر نہ ہو جائے

مومن کے طرز کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے فائدے کی بات دوسرے سے اس طرح کہتے ہیں کہ سننے والے کو وہ بات اپنے فائدہ کی معلوم ہو۔ وہ اُسے کرے اور اُس سے فائدہ کسی اور کو ہو جائے۔ یہ چال مومن نے کئی دفعہ چلی اور غالباً کامیاب بھی ہوئی نقلوں کا جادو بھی عجب جادو ہے۔ کہتے ہیں ؎

خواہشِ مرگ ہو اتنا نہ ستا ناورنہ   دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

کیا خوب ترکیب ہے — یعنی اگر تم نے مجھے بہت ستایا تو میرے دل میں موت کا خیال پیدا ہو جائے گا۔ اور اس میں تمہارا نقصان ہے جو دل صرف تمہاری یاد کے لئے ہے، اگر چاہتے ہو کہ اس میں کوئی اور خیال آ بسے تو ستاؤ، شوق سے ستاؤ!

یا پھر ایک دوسری چال ؎

جب مجھے رنجِ دل آزاری ہو   بے وفا پھر مائلِ بیداد کیا

ایک اور منظر ملاحظہ کیجئے۔ بزم آراستہ ہے۔ وہ انجمن آرا بھی موجود ہے۔ رقیب ہیں، عاشق صادق (مومن) ہیں اور شاید کچھ اور تماشائی بھی، جو عشق کے اس بھید سے واقف نہیں ہیں۔ محبوب کی ساری توجہ رقیبوں کی جانب ہے۔ مومن سوچتے ہیں کہ یا اللہ کیا کروں، کس طرح اُنھیں اپنی طرف متوجہ کروں آخر ایک ترکیب سوجھتی ہے۔ چپکے سے یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

غیروں پہ کھُل نہ جائے کہیں راز دیکھنا میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

محبوب کا جلوہ دیکھنے کی اور ایک ترکیب یہ ہے کہ ؎

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

دو تین شعر اور سن لیجئے اور اس لطیف حکایت کو ختم کیجئے ؎

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

مومن کے تغزل کی دوسری بڑی خصوصیت اُن کی نزاکت تخیل ہے غزل کے پرانے، فرسودہ مضامین میں بلندی پیدا کرنا یا انہیں محض طرز بیان کی خوبیوں سے ایسا بنا دینا کہ وہ تصور آفریں بن جائیں، مومن کا طرزِ خاص ہے۔ وہ عشق کی رسمی باتوں کو ایک نئے انداز سے ذرا پیچ دے کر بیان کرتے ہیں تو وہی رسمی اور فرسودہ بات بالکل نئی اور انوکھی معلوم ہونے لگتی ہے مثلاً ؎

صبرِ وحشت اثر نہ ہو جائے　　کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

رشکِ پیغام ہے عنان کشِ دل　　نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں　　کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

یعنی جس طرح ناصح کی بات میں کوئی تاثیر نہیں، اسی طرح کہیں میری آہ بھی بے تاثیر بن کر نہ رہ جائے۔

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا　　مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

یعنی، محبوب کے آنے میں بھی جان کا زیاں ہے اور نہ آنے میں بھی۔

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا　　ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

یاس

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

ان سارے شعروں میں شاعر نے کوئی نئی بات نہیں کہی، وحشتِ دل، رشک، ناصح کی زبان کی بے تاثیری، محبوب کی بے التفاتی، آہ کا نظم، قفس اور آشیاں، سب کچھ وہی ہے جو ہزاروں دوسرے شاعروں کے کلام کا سرمایہ ہے لیکن مومن کے اندازِ فکر کی نزاکت اور بیان کی لطیف چاشنی نے ان سارے پرانے مضمونوں میں زندگی اور شگفتگی پیدا کردی۔

غزل کا ایک شعر ایک مکمل مضمون ہوتا ہے۔ شاعر کے ذہن میں جو بات ہے، اور جس بات کو وہ سامع کے ذہن تک پہنچانا چاہتا ہے، اُس کے لئے اُس کے پاس بڑی محدود سی جگہ ہے۔ اسی محدود جگہ میں اپنی ساری بات کہنے کے لئے اُسے ایسے لفظ چننے پڑتے ہیں کہ بات پوری ہو جائے۔ لفظوں کے اس انتخاب میں اگر ایک لفظ بھی زاید یا بے محل ہے تو شعر کی تاثیر میں فرق آنا لازمی ہے۔ گویا لفظوں کا صحیح انتخاب ہی غزل گو شاعر کے کمالِ فن کا امتحان ہے۔ یہ امتحان اُس صورت میں اور بھی سخت ہو جاتا ہے جب شاعر کے ذہن میں کسی خاص واقعہ کی تصویر ہو اور وہ ان تھوڑے سے لفظوں میں اس تصویر کو سامع کے ذہن کے سامنے لانا چاہے۔ ایسے موقعے پر اُسے خیال کی بعض کڑیاں چھوڑ کر ان کی کمی لفظوں

سے پوری کرنی پڑتی ہے۔ لفظ تصویر کی چھٹی ہوئی کڑیوں کو پورا کرتے ہیں۔ شاعر کو لفظوں کے صحیح انتخاب میں جتنا سلیقہ ہوگا، اُتنی ہی زیادہ اُس کی بنائی ہوئی تصویر مکمل اور مؤثر ہوگی۔ اُتنا ہی زیادہ وہ تصور کو مطلوبہ فضا بنانے میں مدد دے گی۔ مومن کو اس فن میں بھی جو کمال حاصل ہے اُس کا اندازہ اُن کی بنائی ہوئی کچھ تصویروں کو دیکھ کر کیجئے:۔

وصل میں احتمالِ شادیٔ مرگ   چارہ گر درد لا دوا ہے عشق

یعنی بظاہر میرے دردِ عشق کی دوا یہ ہے کہ محبوب میرے پاس آ جائے، لیکن اس کا کیا علاج کہ محبوب آئے گا تو اُس کے آنے کی خوشی موت کا سبب بن جائے گی۔

جرّاح کیا سوچا تھا، کیا رنگ کیا ہوا!   کیوں کھول لی پٹی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

اِس دو مصرعی داستان کی کتنی کڑیاں ہیں، وہ لفظوں کی حسین اور موزوں ترتیب سے خود بخود نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔ دو ایک شعر اور سن لیجئے۔

گہ ہر زہ گردی کا بجا نہ تھا کچھ   وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے

اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو   مڑکے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر آپ کو

مومن کا تغزل، اُن کی طنز، محاکات، جذبات کی مصوری، ان سب پر

جہاں ایک طرف شاعر کی مخصوص ذہنی اور فکری نزاکت اور اُس کے شوخ اور جدت پسند مزاج کا پرتو ہے، وہاں دوسری طرف ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مومن کے پاس وہ زبان نہ ہوتی، جو اب ہمیں اُن کے کلیات کے ہر لفظ پر اپنے جوہر دکھاتی نظر آتی ہے تو نہ اُن کے تغزل میں یہ شوخی ہوتی، نہ اُن کی طرزبیں یہ لطافت اور نہ محاکات اور مصوری میں تاثیر ان سب رعنائیوں کے پیچھے وہ "کافر زبان" ہے جس نے مومن کو "صنم" بنا دیا۔ اور ہم آج اُس کے "اصنام خیالی" کی پرستش کر رہے ہیں۔ شعر پڑھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ مومن کی زبان بھی دو طرح کی ہے۔ ایک میں سادگی ہے اور دوسری میں ذرا پیچیدگی۔ لیکن دونوں میں اپنا اپنا لطف ہے لیکن شاید رنگینی میں وہ مزا نہیں جو سادگی میں ہے۔ مومن نے بعض جگہ محض محاورے کے صرف سے شعر میں چٹخارہ پیدا کیا ہے ؎

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے ۔ آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

ایسی مثالیں دیوان میں نسبتاً کم ہیں اور ان میں وہ کیفیت بھی نہیں جو مومن کے رنگ تغزل کے لئے مخصوص ہے۔ البتہ روزمرہ میں مومن نے جو باتیں کہی ہیں، وہ باتیں ہو کر بھی محض باتیں نہیں۔ اُن میں نشتروں کی سی تیزی ہے جو چبھتے ہی دل میں گھر کرتی ہے ؎

رات دن بادۂ و صنم مومن ۔ کچھ تو پرہیز گار رہنا تھا

نے تابِ ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

سینے پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا

بے خبر پائمالِ عدو کو کیا کیا مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

مومن تم اور عشقِ بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

مومن محاوروں اور روزمرہ کو چھوڑ کر جب اپنی بات بالکل سیدھی سادی زبان میں کہتے ہیں تو تغزل کا لطف اور طنز کی شوخی اور بھی بڑھ جاتی ہے ؎

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے خیر ہے، میں نے کیا کہا صاحب

کیوں لگے دینے خطِ آزادی کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ستم، آزار، ظلم، و جور و جفا جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں کس کا شب ذکرِ خیر تھا صاحب

نام عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

یہ تو مومن کے طرزِ بیان کا ایک رنگ ہے۔ دوسرا رنگ وہ ہے جس میں وہ فارسی کی ترکیبیں استعمال کر کے تغزل اور طنز کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ یہاں بھی مومن کی نازک تخیل نے جو گلکاریاں کی ہیں، وہ اُن کا رنگِ خاص بن گئی ہیں۔ مثال کے لئے دو تین شعر سنیئے:

بہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہوگا حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

مومن شاعر ہیں، عاشق ہیں لیکن انسان بھی ہیں اور اس لئے اُن کی

ہر چیز ضروری نہیں کہ اچھی ہو۔ زمانے کے اثر نے جس پر ناسخ اور شاہ نصیر کا رنگ چڑھا ہوا تھا، اُن کے بیان میں فارسی کی رنگ آمیزی کی، اور خود اُن کے رنگین، لطیف اور نازک تخیل نے اُس میں گل بوٹے کھلائے سیدھی بات کو پیچ دے کر کہنا سکھایا، پرانے مضمون میں کوئی نئی بات پیدا کر کے اُسے اپنے رنگ میں رنگ لینے کی تعلیم دی۔ اور ان سب چیزوں نے مل کر مومن کے رنگ تغزل میں کچھ ایسے لطیف اور جمیل عناصر پیدا کئے جو اُن کے لئے مخصوص ہو گئے۔ لیکن اس جدت پسندی نے، اس نزاکت انداز نے اور زمانے کے اُس اثر نے اُس میں خرابیاں بھی پیدا کیں۔ خیالات کی پیچیدگی نے شعروں کو معمہ بنایا، زبان کی ناہمواری نے انھیں ذہن کے لئے بوجھ بنایا، فارسی کی ترکیبوں اور لفظی رعایتوں نے تغزل کے حسن کو پامال کر دیا ــــ اور زمانہ کے رنگ نے غزلوں میں جا بجا وہی ابتذال، وہی سوقیانہ پن پیدا کیا، جس کا اس طرح کے تغزل میں خطرہ ہوتا ہے۔ مومن کے بہت سے شعروں میں مضامین کی وہی فرسودگی ہے جس کی وجہ سے لوگ غزل سے اُکتانے لگے ہیں، وہی پستی ہے، جو اسے شاہدانِ بازاری کی بزموں کی رونق بنا دیتی ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں مومن کا خاص رنگ نہیں ہیں اور نہ یہ اُن کے کلام پر مجموعی حیثیت سے چھائی ہوئی ہیں۔ مومن نے اُردو غزل کو جو نئی چیزیں دیں، وہ ان برائی

نام خرابیوں کے باوجود ؟ انہیں کا حصّہ ہیں۔ اُنھوں نے اُردو غزل کو فن کی کئی رسمی روایتوں سے پاک کیا   اُس کے فرسودہ اشاروں، کنایوں اور تشبیہ استعاروں کو اپنانے کے بجائے، اُنھوں نے اپنی روز مرّہ سیدھی سادی زبان کو اظہارِ عشق کا ذریعہ بنایا، غزل میں مجوبی پہلی مرتبہ اُسی صنفِ لطیف کو دی جس کے لئے وہ زیبا ہے، پہلی مرتبہ طنز کو محبت کی زبان بنا کر اس کی سطح کو بلند کیا۔ اور اس لئے جب اُن کے دیوان میں ہمیں بہت سے ایسے شعر ملتے ہیں جن سے عشق کی بلند فطرت محض لفظوں سے کھیلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، جب لفظوں کی پیچیدگی، اور رعایتیں اُس کے خلوص کو مجروح کرتی دکھائی دیتی ہیں تو ہم یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ یہ زمانہ کا فیض ہے ـــــ اُن روایتوں کا جنھوں نے ہمارے شعر اور ادب کو دو صدیوں سے اپنی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، اور اُس مخصوص فضا کا جس میں شاعر نے آنکھ کھولی ہے اور سانسیں لی ہیں، ناسخ اور نصیر کی پیدا کی ہوئی فضا۔

یہ تبصرہ صرف مومن کی غزلوں پر ہے۔ حالانکہ کلیات میں قصیدوں اور مثنویوں کے علاوہ تین واسوخت، ایک مرثیہ، کوئی سوا سو رباعیاں ، قطعات، بہت سے تاریخیں، اور مثلث، مخمس، مسدس، مثمن، اور ترجیع بند بھی ہیں۔ مرثیہ ترکیب بند میں ہے اور وہ اس انتخاب میں شامل

ہے۔ مومن کی غزلوں کے علاوہ اُن کی مثنویاں، اُن کے قصیدے، واسوخت، رُباعیاں اور تاریخیں، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ اُس پر مفصل تنقید نہ کرنا مومن کے ساتھ بڑا ستم ہے۔ لیکن جب مفصل تنقید کی گنجائش نہ ہو تو اعترافِ عجز کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ ع

گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

ضرورت اس بات کی ہے کہ مومن کے قصیدوں، مثنویوں، واسوختوں اور قطعوں کا ایک الگ انتخاب شائع ہو۔ اور ان میں سے ہر صنف کو وہ جگہ دی جائے جس کی وہ جائز طور پر مستحق ہے۔ مومن کے قصیدوں کو سودا یا ذوق کے قصیدوں کے جواب میں پیش نہیں کیا جا سکتا، اُن کی مثنویاں میر حسن اور نسیم کی مثنویوں کا جواب نہیں۔ لیکن مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ ان دونوں اصناف میں بھی مومن کی پُر خلوص فطرت اور اُن کی شخصیت کی انفرادیت نمایاں ہے۔ اُردو کے کسی قصیدہ گو کے یہاں وہ خلوص نہیں جو مومن کے قصیدوں میں ہے، اور نہ کسی مثنوی میں (زہرِ عشق کو چھوڑ کر) وہ ذاتی اور شخصی عنصر، جو مومن کی مثنویوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ واسوخت تو یقینی طور پر اُردو میں مومن سے اچھے کسی نے نہیں لکھے ـــــ یہ ساری باتیں کہتے وقت مجھے یقین ہے کہ میں شاعرانہ

مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہوں۔ اور نہ میری باتیں محض سطحی جذباتیت کے جوش کا نتیجہ ہیں۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے نہ میں شاعر ہوں نہ سیاست داں۔

دہلی، ۰؍ اگست ۱۹۳۶ء

وقار عظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتخابِ مومن

نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ یہ جیبِ جنوں کی شان
کہ ہو دستِ مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں، رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے، نہ میں مشتاق جنت کا
عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشر غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا

آگ اشکِ گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور ہاتھ جل گیا
کیا روؤں خیرہ چشمیٔ بختِ سیاہ کو
واں شغلِ سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
بُت خانہ سے نہ کعبہ کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت — دُعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا
جنوں کے جوش سے بیگانہ وار رہیا حباب — ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا
خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اُس در پر — نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہوگا — حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا
اُن سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں ہوگا — میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا
اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہوگا — کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا
خواہشِ مرگ ہوا اتنا نہ ستانا ورنہ — دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
ایسی لذّت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے — رہ گیا سینہ میں اُس کا کوئی پیکاں ہوگا
کیا سُناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل — تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا
کیونکہ اُمید وفا سے ہو تسلّی دل کو — فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

آخر اُمید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جیتا شبِ ہجراں ہوگا

درد وہ ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیٔ بخت تو ہے چین سے لے وحشتِ دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا

بات کرتے ہیں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اُسی بدعہد کا پیماں ہوگا

دوستی اُس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا — دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے — آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
غیر عیادت سے بُرا مانتے — قتل کیا آن کے اچھا کیا
زندگی ہجر میں اک موت تھی — مرگ نے کارِ مسیحا کیا
جَور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے — رازِ مرا صبر نے افشا کیا
کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجئے — اُس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا

رحم فلک اور مرے حال پر — تو نے کرم لے ستم آرا کیا
سچ ہی سہی آپ کا پیمان شئے — مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا
مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے مُنہ — لو منہ اسی پردہ نشیں کا کیا
دشمن تو دشمن ہی رہے بُت سدا
مجھ سے مرے نام نے کیا کیا

موئے ہی عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جان ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیداد آسماں نہ ہوا

وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے کہ میں
حریف کشمکش نالہ و فغاں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

اُمیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

ہم کیا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا — بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ — ہنگامۂ محبتِ اغیار کم ہوا
معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری — واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا
ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی — تو بھی وہاں تغافلِ بسیار کم ہوا
کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب ہوئے — اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے — اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غمِ ہجر — یہ خار نہیں دل سے گلِ اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بدانجام نکلتا

صبر نہیں شامِ فراق آ چکو — جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا
ہائے صنم ہائے صنم لب پہ کیوں — خیر ہے مومن تمہیں کیا ہو گیا

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک — یہ رنجشِ بیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم — بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
اے چارہ گرو قابلِ درماں نہیں یہ درد — ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو — سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

غم مرا کس لئے کہ دنیا میں — نہ رہا میں مرا فسانہ نہ رہا
تلخ کامی نصیبِ اعدا حیف — جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے — جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

شبِ غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دِکھلائے تھا　　دم رُکے تھا سینہ میں کمبخت جی گھبرائے تھا
بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن　　وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا
سُن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا　　کیا بُرا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا
کوئی دن تو اُس پہ کیا تصویر کا عالم رہا　　ہر کوئی حیرت کا پُتلا دیکھ کر بن جائے تھا
ہوگئی دو روز کی اُلفت میں کیا حالت ابھی　　مومنِ وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

ہماری جان تجھ بن شب دلِ ناکام لیتا تھا　　خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا
یہی حالت رہی آٹھوں پہر تجھ بن کہ دم اُلٹے　　سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا
عبث اُلفت کی تھی تمکو وہ کب دیتا تھا دم تم پر　　یہ مجکو دیکھ کر دشمن کلیجہ تھام لیتا تھا
نہ کانٹوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بسترِ گل پر　　ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت کبھی دل نے　　نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا　　کہ ہر ہر بات پر دشمن تمہارا نام لیتا تھا
میں اُس کی بزم سے میں نہ ہر پی کیونکر نہ مرجاتا　　کہ میرے سامنے اُس لب کے بوسے جام لیتا تھا
اگر مومن ہی ہو مومن وے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے　　جان کھونے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں، ہم مر گئے — اب تو خوش ہو بے وفا، تیرا ہی یے کہنا کیا
سر سے شعلے اُٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے — شمع سے یہ کس نے ذکرِ اس محفل آرا کا کیا
کیا خجل ہوں اب علاجِ بیقراری کیا کروں — دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل ٹھہرا کیا
عرض ایماں سے مذاق اُس غارت گرِ دیں کی بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا — نہ ہے تو کسی کا نہ ہو گا کسی کا
کیا تم نے قتلِ جہاں اِک نظر میں — کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانو — کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
دمِ الحذر از درِ عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہی اے مومن ایسا کسی کا

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا — رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پنہائیں گے بیڑیاں — قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی — اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
تھے بے گناہ جراُتِ پابوس تھی ضرور — کیا کرتے وہم خجلتِ جلاد آگیا

ذکر شراب و حور کلام خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا · تم سے دشمن کی مبارک باد کیا
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی · آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں · حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا
ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر · ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا
نشۂ اُلفت سے بھولے یار کو · سچ ہے ایسی بیخودی میں یاد کیا
نالہ اک دم میں اُڑا دے دھوئیں · چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو · بے وفا پھر حاصلِ بیداد کیا
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر · ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس · آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

بُت کدہ جنّت ہے چلئے بے ہراس
لب پہ مومن ہر چہ بادا باد کیا

کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے درد دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا

طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا تو مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

یہ عُذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
کیا زنجیر مجکو چارہ گرنے کن دنوں میں جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پردا نکل آیا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سُنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا
بہت نازاں ہے تو اسے قیس پر وحشت دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
ناصح یہ طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا دلجوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا
وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

مجکو تیرے عتاب نے مارا — یا مرے اضطراب نے مارا
بزم سے میں ہیں لبِ یک میں محروم — آپ کے اجتناب نے مارا
لب میگوں پہ جان دیتے ہیں — ہیں شوقِ شراب نے مارا
جبہ سائی کا بھی نہیں مقدور — اُن کی عالی جناب نے مارا
کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں — مجھے فکرِ جواب نے مارا
یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں — تیرے عہدِ شباب نے مارا

دیکھ تو شوقِ نا تمام مرا — غیر لے جائے ہے پیام مرا
رتبہ اُفتادگی کا دیکھو ہے — عرش کے بھی پرے مقام مرا
کس صنم کو چھڑا دیا واعظ — لے خدا تجھ سے انتقام مرا
ہو کے یوسف جو دل چراتے ہو — کون ہو جائے گا غلام مرا
اُس لبِ لعل کی شکایت ہے — کیونکہ رنگیں نہ ہو کلام مرا
تو نے رُسوا کیا مجھے اب تک — کوئی بھی جانتا تھا نام مرا
زانوئے بُت پہ جان دی یکجا — مومنؔ انجام و اختتام مرا
بندگی کام آ رہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

خون چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ
مجکو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا!
یادہ کا کل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا
دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سوا سے دشمن
کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا

کبھی کا سوزِ دل ہرگز تجھے یاد نہیں آتا
تو سب کو جانے ہے اے مہر عالمتاب اپنا سا
یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا ڈر ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوشتاب اپنا سا
بناوٹ سے وہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہے ہو وسے پیچ و تاب اپنا سا

بے خود تھے، غش تھے، محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اُس زلف تابدار میں کچھ آج خم نہ تھا

دربان کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا
مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیتُ الصنم نہ تھا

صبح ہے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھکو تڑپتے پیش در دکھلا دیا
گو حسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اس جانِ جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمانِ بالغیب آپ کا
اس بتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نشیں نزاکتِ آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا
مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا
کشتہ ہوں انکی چشمِ فسونگر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائیؔ بلا
مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائیؔ بلا
تلخ کامی پر مجھے تجکو لبِ شیریں پہ ناز
آمرے جادو سے اعجازِ مسیحائیؔ ملا
چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبہ میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائیؔ بلا

چوں نکہتِ گُل جنبش ہے جی کا نکل جانا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا
عشق اُن کی بلا جانے عاشق ہوں تو پہچانے
و مجکو اطبا نے سودے کا خلل جانا

کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جواب نہیں
سچ ہے تو مدد سے خفا بے سبب ہوا
بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

اب اذنِ انتقام جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہِ کامل کو تھامنا
سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسماں شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا
یہ زلف خم بہ خم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا
اے ہمدم آہ تلخیٔ ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جام ہلاہل کو تھامنا

پاؤں زنداں سے اُٹھے کیا سر اُٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہو گیا

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا
زخم تو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینہ کا روزن ہو گیا
تو مِن دیندار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا

ہمسری اُس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہو گیا
لو مرے بختِ سیہ کو اور سودا ہو گیا
لگ گئی چپ مجکو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا

میں تو دیوانہ تھا اُس کی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہو گیا
یہ کسی سے ہو کہ ان لفظوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہم ساکب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا

کیا رشکِ غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا میں جان کر حریفِ تغافل نہ ہو سکا
پرورد ہُ وفا سے ہو کب ترکِ عاشقی کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا دیکھا دشمن نے تم کو کیا جانا
شعلۂ دل کو ناز تابش ہے اپنا جلوہ ذرا دِکھا جانا
شوق نے دور باش اعدا کو اُس کی محفل میں مرحبا جانا
اُسکے اُٹھتے ہی ہم جہاں سی اُٹھے کیا قیامت ہے دِل کا آجانا
پوچھنا حالِ یار ہے منظور میں نے ناصح کا مُدعا جانا
ے نہ اُتری گلے سے جو اُس بن مجکو یاروں نے پارسا جانا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

اِس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا ناصح تو میری جان نہ لے دِل گیا گیا
کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں جی اِک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا
آہ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے سببِ آشفتگی کاکل کا
جلوہ دِکھلائے تاوہ پردہ نشیں میں نے دعوئی کیا تحمل کا

کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا
بے اعتبار ہو گئے ہم ترکِ عشق سے
از بسکہ پاسِ وعدہ و پیماں نہیں رہا
نیند آئی ہے فسانہ گیسو و زلف سے
وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا
مومن یہ لاف اُلفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

کاش آپ وہ آئیں جو سُنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخ و پیغام نہ ہوگا
ہاں جوشِ طپش چھیڑ چلی جائے کہ پَر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دَور میں ساقی
اتنوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا
وہ شوخ فریبِ تعلق غیر میں آیا
اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا

گر نہ تھی اے دل اُسکے رنج کی تاب   کیوں شکایت گذار ہونا تھا
شکوۂ دہر پر کہا تم کو   آفتِ روزگار ہونا تھا
چشمِ بے اختیار جاناں میں   ق کیا مرا اختیار ہونا تھا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ   اے دلِ بے قرار ہونا تھا

رات دن بادۂ و صنم مومنؔ
کچھ تو پرہیزگار ہونا تھا

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا   رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے   تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے   ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
امتحاں کیجئے مرا جب تک   شوقِ زور آزما نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا   جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دلِ یار کو لکھوں کیونکر   ہاتھ دل سے جُدا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں   سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سُنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

کیا ہوا ہوا گر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے، اب وہ دل کہاں اپنا

خار وخس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
اُن کو شوقِ آرائش دل ہے بدگماں اپنا

دشنہ چھین لے گا کیا ہم نفس شبِ فرقت
آپ جب نہیں اپنے کون میری جاں اپنا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے بتنگ آکر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسائش اُس قلق پہ مشکل تھا
عیش جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا

عشقِ بُت میں خود ابتو در خور پرستش ہیں
نام ہو گیا اِتنا گم کیا نشاں اپنا

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

دیکھیئے پسِ مُردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

جنت کی ہوس واعظ بیجا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

اِس تلخی حسرت پر کیا چاشنیٔ اُلفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

ہے بے خودیٔ دائم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیوں کہ مرا ہوتا

اِس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند قبا اُس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

ہم بندگیٔ بُت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا

ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کئے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا
کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ وہ دودِ فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا
جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
جہان تنگ و ہجومِ وحشت غرضکہ دم پر بڑی بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا
ہو اسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

قتلِ عدو میں عذر نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب | کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
ہے بندہ ہی بے وفا صاحب | غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے | خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب

کیوں لگے دینے خطِ آزادی   کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ستم آزار، ظلم و جور و جفا   جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا   رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں   کس کا شب ذکرِ خیر تھا صاحب
نامِ عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں
اُن کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

یاں سے کیا دُنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رُکتے ہیں آپ
رُک گیا میرا بھی دَم کیوں اِس قدر رُکتے ہیں آپ
جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رُکتے ہیں آپ
دل کسی بُت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رُکتے ہیں آپ

سودا تھا بلائے جوش پر رات　　بستر پہ بچھائے نیشتر رات

افسانہ سمجھ کے سو گئے ،، ،،　　کام آئی فغانِ بے اثر رات

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم　　موت آئی تھی قصّہ مختصر رات

اس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن

کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ

دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا

تھی برہمیٔ زلفِ پریشاں کی شکایت

کیا اپنے دردِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے

اُلجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث

گو چارہ سازِ حضرتِ عیسیٰ ہی کیوں نہوں

گر دردِ عشق ہے تو اُمید شفا عبث

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں

بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنمِ سنگدل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل — ہے بہر طور دم شماری آج
مانعِ قتل کیوں ہوا دشمن — جان ہی جائے گی ہماری آج
اِک نئی آرزو کا خون ہوا — ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج
بوسے حضرتِ نصیحت نے ناصح — ہے کسی کی تو یادگاری آج

مومن اُس بُت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دینداری آج

پنجۂ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

لے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

ہے نہ دوا میری دہی سو نہیں ممکن کرلے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ

ہم جوانمرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلکِ پیر نہ کھینچ

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دَم کے دَم اور بھی سینے میں ہرے تیر نہ کھینچ

گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوس اغیار کی طرح
خود بخ رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح
تشبیہ کس سے دوں کہ طرحدار کی ہر ے
سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح
"مر چک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے"
کہتے تو ہیں بھلے کی و لیکن بری طرح
نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

نے جائے واں بنے ہے نہ بن جائے چین ہی
کیا کیجئے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح

ہوں جاں بلب بتانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اِسی طرح

ہم دامِ محبت سے اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند
یہ مشت پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو
تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند
کیا حضرت مومن کہیں کعبہ کو سدھارے
سنسان ہے در کس لئے کیوں آج ہی در بند.

اے محتسب نہ توڑیو شیشہ کو دیکھنا   آتی ہے مجھکو سنگِ دلِ پرشکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ہیں ۔ کیوں سرگذشت تمکو بھی ہی کو کہن کی یاد
پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گُل ۔ پھر مجھکو آگئی کسی گل پیرہن کی یاد

بہارِ باغ دو دِن ہے غنیمت جان اے بُلبُل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر
خدا کو مان، اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن
صنم خانہ میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ، رہ کر

جرّاح کیا سوچتا کیا رنگ دیکھا، کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹّی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

ہے ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر
مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

کہ وہ صحرا میں پئے فرحت پھر آتی ہی بہار ۔ میں تو کیا آن کو بھی دیوانہ بناتی ہی بہار

سب ستم ہائے نہاں نظروں میں تھے ناصح نہ پوچھ
کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر کیا دیکھ کر

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز
روزِ جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہیں دامن پہ تیرے میرے لہو کے نشاں ہنوز
مومن تو مدتوں سے اٹھے پر بقولِ دردؔ دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں پر میں نے تیرا حال سُنایا نہیں ہنوز
اب کی دفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو مومن وہ لب پہ ہائے خدا یا نہیں ہنوز

لب پہ دم آیا و لے نالہ نہیں ہی ہنوز نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز
لے کے دل و عقل و دیں مجھ پہ نہ مارا ہو عشق اے اجل آ یک کہیں جانِ حزیں ہی ہنوز
روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام مہر و وہ بدگماں تجھکو یقیں ہے ہنوز
وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرت مومن تمہیں دعویٔ دیں ہی ہنوز

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن بھرے ہے تو
کعبہ کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا | جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس
مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا | تو نے اُلفت کا امتحاں افسوس
گلِ داغِ جنوں کھلے بھی نہ تھے | آگئی باغ میں خزاں افسوس
بے وفائی ہوئی وفا کا سبب | غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مرگیا کیا ہی نوجواں افسوس

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشم بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص
مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص
چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے ہٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص
مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بد تر ہے
اُس بُتِ دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اِس طرح
گویا کہ قولِ محرمِ اسرار ہے غلط
اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط
سچ تو یہ ہے کہ اُس بت کا فر کے دور میں
لاف و گزاف مومن دیندار ہے غلط

منتظر ہے کسی بت کا جو نہیں تو کیوں ہے
مجلسِ وعظ میں ہر سو نگراں اے واعظ
اب ذرا جا نہ دہی کوئے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ
حور کی مدح میں کیا ترکِ صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ
کیسا آرام پسِ مرگ مگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاں لے واعظ

اُس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستمگار کی طرف
کافر لگا ہے تو تو مَن کے مت مگر
دیکھ اپنے نقش رشتۂ زنار کی طرف

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق
غم ہجر یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں
ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے مدام ایک نیا قلق
کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یوں ہے بری بلا ہے عشق
اثر غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
بوالہوس اور لاف جاں بازی
کھیل کیا سمجھ لیا ہے عشق
وصل میں احتمالِ شادیِ مرگ
چارہ گر درد بے دوا ہے عشق
دیکھئے کس جگہ ڈبو دے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق

آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے　　باوفا حُسن ڈبے وفا ہے عشق
میں وہ مجنونِ وحشت آرا ہوں　　نام سے میرے بھاگتا ہے عشق
قیس و فرہاد و وامق و مومن
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

امتحاں کے لئے جفا کب تک　　التفاتِ ستم نما کب تک
غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو　　ہے ارادہ نباہ کا کب تک
مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم　　صبر آخر کرے وفا کب تک
دیکھئے خاک میں ملاتی ہے　　نگہِ چشم سرمہ سا کب تک
ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں　　غفلتِ جرأت آزما کب تک
لے شبِ وصل غیر بھی کاٹی　　تو مجھے آزمائے گا کب تک
تم کو خو ہو گئی بُرائی کی　　درگذر کیجئے بھلا کب تک
مر چلے اب تو اُس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہلِ جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

کون جیتا ہے نگاہوں میں سُبک ہونے کو
سخت جانی سے ترے دل پہ گراں ہونے تک
ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے
کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک
ضد ہوئی محتسب و پیر مغاں میں مومن
عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک

پھر نہ چھوڑوں گا وہ کر دنے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہئے اُس شوخ کے داماں تلک
اوّل اُلفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمدِ ہجراں تلک

جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ
نچوڑیں ہم اپنا دامن تر جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ
دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ بجھا دی تونے کیا اے چشم تر آگ

گر جانتے کہ ہے شب ہجراں یہ کچھ بلا دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

مردِ عشق ستیزہ کا رہے دل ملک الموت سے دوچار ہی دِل
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے کیا خبر تھی اُنھیں فگار رہے دِل
وصلِ جاناں کہاں سوائے خیال ہم ہیں مایوس اُمیدوار رہے دِل
بس کہ تھے ہم زباں گلی میں تری دل سے میں مجھ سے شرمسار رہے دِل
شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار رہے دِل

یا الٰہی مجھکو کس پردہ نشیں کا غم لگا سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دِل
کوئی تھاہی نہیں تھکتا ہی کیوں دیوانہ وار میرے دلکے ساتھ نالمیں کا بھی کیا جاتا ہے دل
مت بگڑ تو ہر گھڑی سحرمری انصاف کر کچھ بھی بن آتی ہے جب اپنے بیوفا جاتا ہے دِل
وہ ستمگر دلبر عالم ادھر آتا ہے آپ کیا بنیگی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دِل
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن لے
کیا کروں تبخانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم
شب رہے تجھ بن زبس بیچین و بے آرام ہم
صبح تک رویا کئے لے لے کے تیرا نام ہم

بلکہ اِک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں بے صنعتِ ایہام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اُس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم،

اِس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے اُمیدِ وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخِ لیلیٰ فام ہم

گر ترے کوچے کو دی کعبہ سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم

ناتواں تھے پر نہ چھوڑا اشتِ خار ۔ خود اُلجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
کر دیا اُس جلوہ نے مجنوں چلو ۔ خاک اُڑائیں وادیٔ ایمن میں ہم
توڑنا مومن نہ پیمانِ الست ۔ ہیں مُسلّم عاشقی کے فن میں ہم

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

جائیں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

وصلِ بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو و بال
تو من نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

غم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی تو
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اُس کے تیر اکثر ہم
ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم
عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کی
کہ سر سے باندھتے ہیں پاؤں کی زنجیر اکثر ہم
یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تابہ دل وزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شبگیر اکثر ہم

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
کیا گل کھلے گا دیکھئے، ہے فصل گل کا دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہاتھ میں اس دلربا کے دل دیتے
تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم
اگر نہ دام میں زلف سیہ کے آ جاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم
اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم

اُس آفتِ دل و جاں پر اگر نہ مَر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دُعا نہ کرتے ہم
اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اُٹھا نہ کرتے ہم
نہ ہوش کھوتے اگر اُس پری کی باتوں پر
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم
اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے مُنہ کو تکا نہ کرتے ہم
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم

ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

مارے خوشی کے مرگئے صبحِ شبِ فراق
کتنے سُبک ہوئے ہیں گراں جانیوں میں ہم
اب قید سے اُمید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم
معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت
گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم — کیا جانئے کیسے جلائیں گے ہم
اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم — یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم
خنجر تو نہ توڑ سخت جانی — پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
تو، بخت، عدو، اجل، فلک، دل — کس کس کے ستم اُٹھائیں گے ہم
اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے — پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم
بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام — حالِ دل اُسے سنائیں گے ہم
دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے — وہ ہی کہے تو منائیں گے ہم
ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے — مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم
دم دیتے تو ہو، پہ یہ سمجھ لو — دشمن کی قسم ولائیں گے ہم
کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو — کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم

دزدیدہ نظر ہے کیوں دم قتل　　کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم

اب اور سے لو لگائیں گے ہم　　جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
بگڑے تو کریں گے اور سے صلح　　تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم
دل دے کے اک اور لالہ رو کو　　ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم
لب کا ترے دعویٔ مسیحی　　مر اور پہ آزمائیں گے ہم
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

آچکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اُس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں
آب و ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
کس کی خبر آنے کی ہے کس لئے ہے یہ بیتابی
کس لئے ہم ہیں ہر دم پھر تے آتے ہیں اور جاتے ہیں
اُف ری کثرت اشک و تبسم لب بے ہجوم یاس و اُمید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہووے سمجھ تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھئے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں
کیا کہیں تم سے لے ہمدرد و پو چھومت مُرغانِ چمن
کیونکر یاں ایامِ خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں
کُنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پر
یاد سیر موسمِ گُل سے گاہے جی بہلاتے ہیں
کیا کسی بُت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانہ اور رہا
حضرتِ مومن اب تمھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں
بسکہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں
شبِ فراق میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں
وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا
اُس ستمگر نے انتخاب ہمیں
دم رُکے ہے بہشت میں تو کوئی
اُس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں
کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں
غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں
اب کوئی کیا کرے علاج افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں

اے تپ ہجر دیکھ تو من ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں
لذت جورکشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں

ناصح ناداں یہ دانائی نہیں
دل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں
کس توقع پر امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں
دعویٔ حسن جہاں سوز اِس قدر
پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں
دردِ دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

نہیں اپنا، نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہو وے بھی گر فریاد بے کس میں
دَرِ بت خانۂ عشقِ بتاں اور آپ لے مومن
یہ حضرت آگئی اِکبار کیا طبعِ مقدس میں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطرابِ دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں
لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بد خوئی نے ظالم کر دیا بد خو ہمیں
ہوش کیوں جاتے ہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے بادِ صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں
باعثِ بیتابیٔ عالم نگاہِ یاس ہے
چشمِ جادو گر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں
گر یہی شوقِ شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافرِ دلجو ہمیں

ہو گئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں

ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

یار تھے یا دشمنِ جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

مومن اُن کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

ناصح اُن کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانب وفا دیکھیں
کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

بزم میں اُس کی بیانِ درد و غم کیونکر کریں
وہ خفا جس بات سے ہو وے وہ ہم کیونکر کریں
مجھ پہ بعدِ امتحاں بھی جور کم کیونکر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیونکر کریں

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیونکر کریں

جنونِ عشق پری روئے دل شکن ہے بلا
کہ رہ ز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
درازدستی یہ کس بے ادب سنے کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینۂ عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
مومن کو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گذری ہے دن خانقاہ میں

تا نہ کہیں خلل پڑے آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
اُن سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سُن کے برا مبالغہ منتِ احتراز میں
یاد بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اُٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں

جیب درست لائق لطف کرم نہیں ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں اتنا با ہوں کہ ہجراں کا غم نہیں
نام وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب کیونکر کہوں اُسے مرے مرنے کا غم نہیں

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں
مرگ ہے انتہائے عشق یاں وہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجشِ بار بار میں
پوچھے اُس نے کیا مری بے خودی و قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں، تاب نہیں قرار میں

جان دیدوں ہے اُس آفتِ جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دِل کروں
کہیئے جو دردِ دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا
میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دِل کروں
اُس بُت کو ترکِ دیں سے نہیں تو مَن اعتماد
کیونکر نہ میں شکایتِ اغوائے دِل کروں

سب جفا جو اس ستمگر کے سوا کہنے کو ہیں
جن کو چرخ و مرگ کہتے ہیں تُنا کہنے کو ہیں
دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں
دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں
ایک دِن کو تو زبانِ شعلہ دوزخ قرض دے
قصۂ شب ہائے غم روزِ جزا کہنے کو ہیں
شکوہ حرفِ تلخ کا یا شورہ بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزوہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں
ہوگئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے ستم لطف کے پردے میں کرم کرتے ہیں
اے اجل کاش اُلٹ جائیں شبِ ہجراں میں
وہ دُعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
کیا ہی بیزار ہے اِس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں
جا کے کعبہ میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سراپائے صنم کرتے ہیں

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں — جاں دادۂ شوخ بے وفا ہوں
دشمن سے ہے چشم مہربانی — محرومِ نگاہِ آشنا ہوں
شکوہ نہیں غیر کے ستم کا — انصاف کرو تو میں بھی کیا ہوں

خودبینی وبے خودی میں ہے فرق میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
بیزار ہے سوزِ عشق سے جی کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں کیا خوب میں غیر سے بُرا ہوں
اے کاش عدو کو غیرت آوے میں منتظر اپنی موت کا ہوں
اُس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں
باتیں تری وہ ہوش رُبا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی رازداں ہے مرا رازداں نہیں
نومیدیٔ جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں کسی قاصد رساں نہیں
کرتے وفا اُمید وفا پر تمام تر
پر کیا کریں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں
میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق
ناصح ہی کو سے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

تاثیرِ صبر میں نہ اثر اضطراب میں　　بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
لے حشر جلد کرتہ و بالا جہان کو　　یوں کچھ نہ ہو اُمید تو ہی انقلاب میں
مومن یہ عالم اُس صنمِ جانفزا کا ہی
دل لگ گیا جہانِ سراسر خراب میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اِک جواب میں
ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں
بیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

ہم بیداد وستم کچھ دلِ مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ وہ گویا صفِ محشر میں نہیں

مجھ سے میکش کی طرف محتسب آتا ہی تو آئے
ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں

سرمہ گیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو
جن سے منظور وفا ہے ہو جفا بھی اُن پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو
کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو
کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو
کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو
کیا اُسی بُت خانہ کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرتِ مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

یہ قدرت ضعف میں بھی ہو فغاں کو — کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو
دفا سکھلا رہے گا دل ہمارا — تمہاری خاطر نامہرباں کو
کہاں ہے تاب تا زبرق اسے کاش — جلا دے آتش گل آشیاں کو
سمجھتا کیونکہ دیوانہ کی باتیں — نہ پایا محرم اپنے رازداں کو
دیا اُس بدگماں کو طعنۂ غیر — غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو
دل مضطر کی بیتابی نے مارا — کہاں سے لاؤں اُس آرام جاں کو

سن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
نہ کہنا کفر ہے عشق بتاں کو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی میں گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامت اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم سے تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ یاد ہو

سُنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا ایک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجو تم — اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو
ہو کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی — کس بُت کو دے دیا دل کیوں بُت سے بن گئے ہو

اے ناصحو آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو
کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں
ہنس ہنس کے میرے آگے تم دستِ عدو سے جام لو
مومن تم اور عشقِ بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور مُنہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفاداروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلتِ تقریر تو کھینچو

سرزور آزمائیٔ جذبِ دل کو آج ہی دیکھیو
کھینچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچیو

گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا وَلے
مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو
یاں وصل ہے تلافیٔ ہجراں میں لے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو
اِس سے جلا کے غیر کو اُمیدِ پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالاتِ خام کو
مُدّت سے نام سُنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو — عذر کچھ چاہیئے ستانے کو
صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال — ہائے کیا ہو گیا زمانے کو
برق کا آسمان پر ہے دماغ — پھونک کر میرے آشیانے کو
شکوہ ہے غیر کی کدورت کا — سو مرے خاک میں ملانے کو
کوئی دم ہم جہاں میں بیٹھے ہیں — آسماں کے ستم اُٹھانے کو

چل کے کعبہ میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اُس بُت کے آستانے کو

پامال کیجے شوق سے پر بزمِ خاص میں
اِتنا ہو کہ خاک مری دربدر نہ ہو
اب لیجے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر درگذر نہ ہو
مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریئے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

مومن بہشت و عشقِ حقیقی ہمیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو عنہم جا وداں نہ ہو

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ — اے شبِ ہجر تیرا کالا منہ
آرزوئے نظارہ تھی تو نے — اتنی ہی بات پر چھپایا منہ
پھر گئی آنکھ مثلِ قبلہ نما — جس طرف اُس صنم نے پھیرا منہ

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ
کب تک نبھائیے بُتِ ناآشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اِس بے وفا کے ساتھ
مانگا کریں گے اب سے دُعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
اُلجھا ہے اُن سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ
میں کہنے سے بھی خوش ہوں کہ سب یہ تو کہتے ہیں
اس فتنہ گر کو لاگ ہے اُس مبتلا کے ساتھ

اللہ ری گمرہی بُت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اِک پارسا کے ساتھ

کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے
بس بس نہ کر وہ بات کہ یاد آئے ہے مجکو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سُنا ہے

اب شوق سے تم محفلِ اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے
تو یہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے
میں ترکِ وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کیں تجھ سے جو اے دشمنِ اربابِ وفا ہے
مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی
مشامِ غیر میں پہنچے ہے نکہتِ گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی
خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روزِ جزا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے
پر یہ ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو یار آ جائے
کر ذرا اور بھی لے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے
محو دلدار ہوں کس طرح نہوں دشمنِ جاں
مجھ پہ جب ناصح بیدرد کو پیار آ جائے

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے — دوستی تم کو نہیں اغیار سے
مال کیسا جان بھی دے کر یوا ہوں — گر بنے تو دل چھپالوں یار سے
مجھ سے وہ چھپتے پھریں اسکے سوا — اور حاصل عشق کے آزار سے

کر علاج جوشِ وحشت چارہ گر — لادے اک جنگل مجھے بازار سے
ذکر اشکِ غیر میں رنگینیاں — بوئے خوں آتی تری گفتار سے

جاں نہ کھاؤ وصلِ عدو سچ ہی سہی، پر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم، وہ قسم کھا جاتے ہے

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوستداری کی

مبتلائے شب فراق ہوئے
ضد سے ہم تیرہ روزگاری کی

یاد آئی جو گرم جوشیٔ یار
دیدۂ تر نے شعلہ باری کی

پاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امیدواری کی

قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ سزا اپنی جاں نثاری کی

کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اس بت سے شرمساری کی

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں
وہ اگر ہوں گے بھی تو بے وقت پشیماں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

منّتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہوں گے

چاک پردے سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغِ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت و بیاباں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اُٹھے
کیا عَلَم دھوم سے تیرے شہدا کے اُٹھے
آج اُس بزم میں طوفان اُٹھا کے اُٹھے
یاں تلک روئے کہ اُس کو بھی رُلا کے اُٹھے
گرنہ ہو دِل میں خیالِ نگہِ خواب آلود
درد کیا کیا اثرِ خفتہ جگا کے اُٹھے
اُف رے گرمیٔ محبّت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اُٹھے
میں دکھاتا تمہیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب وقتِ دعا کے اُٹھے
شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اُس کے آگے
خوب احوالِ دلِ زار سُنا کے اُٹھے

یہ کون کہے اُس سے کی ترکِ وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام برٰی اتنی
کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بدنظری اتنی

سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدمِ بُت پر
کعبہ ہی میں ہوتی ہے بیہودہ سری اتنی

پھر وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں آہو ہیں نظر میں پھرتے
منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اُٹھ اُٹھ کے ہیں گھر میں پھرتے
ایک دم گردشِ ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے
جنبشِ نرگسِ جنت نے جلایا مومن
چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

پامال اِک نظر میں قرار و ثبات ہے
اُس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے
چھُٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے
کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہی احتیاج
مومن یہ نقدِ دل زرِ جاں کی زکوٰۃ ہے

خرامِ ناز نے کس کے زمیں کو کر دیا برہم
زمیں گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمیں پر ہے
وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھو رہتا زمیں پر ہے

جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اُس نے
سزا ہے لے دلِ ناداں اُس اُلفت اُس محبت کی
گلہ کیا کیجیے اُس بدگماں عیارِ پُرفن کا
کہ عرضِ حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی
وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہکن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

سوادِ محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہو
سزاوارِ شکستن کون سی تقصیر شیشہ کی
بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہو گئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی

بخت پروانہ سے قربانِ عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے
لذتِ مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی انجس کے

مجھ پہ طوفاں اُٹھائے لوگوں نے ‏ مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے
کر دیئے اپنے آنے جانے کے ‏ تذکرے جائے جائے لوگوں نے
وصل کی بات کب بن آئی تھی ‏ دِل سے دفتر بنائے لوگوں نے
بن کہے راز ہائے پنہانی ‏ اُسے کیونکر سُنائے لوگوں نے
کیا تماشہ ہے جو نہ دیکھے تھے ‏ وہ تماشے دکھائے لوگوں نے
کر دیا مومن اُس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

نہیں تقصیر اُس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانو ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی
تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کُھلتا
ترے دِل کو بھی میری سی اگر اے بیوفا لگتی

جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں، کوہ میں، صحرا میں آتش جا بجا لگتی
کہیں سے ڈھونڈھ کر لانا بُت کافر کو اے مومن
طبیعت سیر جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کیا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے
عیش میں بھی تو نہ جاگے تو کبھی تم کیا جانو
کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے
بختِ بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اُٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ہے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیونکر
دیکھئے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے
محوِ وعدہ ہے کسی بُت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلہ سے مُنہ جانبِ در کرتا ہے

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دِل اُڑا تا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجا مُنہ کو آتا ہے
گراں خوابی وہی ہے بختِ خوابیدہ کی اے ظالم
مِرا شورِ فغاں کا ہے کو سوتوں کو جگاتا ہے
نہ کرنی تھی نصیحت اُس کے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اُٹھاتا ہے
خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اُس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مِرا شانہ ہلاتا ہے

کیوں بنی خونابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لئے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی
کیوں رم جانانہ کی بدلی ہے از خود رفتگی
کس لئے شوخی ہوئی ہے بے قراری آپ کی
منفعل سازِ دمِ ناہید نغمہ کیا ہوئی
کیوں گذرتی ہے فلک سے آہ وزاری آپ کی
آشناسی ہوگئی بیگانگی جاتی رہی
ہوگئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

بوئے گل سے ہو کہ رکس کی بو آئی ہے یاد
خاک اُڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی

عشق مہ رو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہو ساری آپ کی

مجھ کو حیراں دیکھ کر حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محویاس سے اُمیدواری آپ کی

جی چلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی

کیوں ہے رنگِ زرد پر گلگونہ اشکِ سُرخ کا
کس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

ہائے کیا بیتاب ہو کر دھر لیا سینہ پہ ہاتھ
کھُل گئی ہوش کہے سے دلفگاری آپ کی

سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرمساری آپ کی

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتے ہی حال
بے قراری، آہ وزاری، اشکباری آپ کی

قطرہ ہائے اشک گنتے ہو گر روتا ہوں میں
اِس قدر خو ہو گئی اخترشماری آپ کی

کس صنم کی بندگی میں تبت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دینداری آپ کی

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے — کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
رشکِ پیغام ہے عناں کشِ دل — نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ — غش تمہیں دیکھ کر نہ ہو جائے
کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم — کہیں پامالِ سر نہ ہو جائے
میرے تغیرِ رنگ کو مت دیکھ — تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے
میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو — کہیں دامان تر نہ ہو جائے
بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں — کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
مانعِ ظلم ہے تغافلِ یار — بختِ بد کو خبر نہ ہو جائے
رشکِ دشمن کا فائدہ معلوم — مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے
اے دلِ آہستہ آہِ تاب شکن — دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بُت آزردہ گر نہ ہو جائے

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے

بنی ہے صورِ سرافیل آہ بے تاثیر
کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گذرے
نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشیانے سے جب
خیالِ حسرتِ مرغانِ ہم قفس گذرے
وفائے غیرتِ شکر جفانے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گذرے
کہاں وہ ربطِ بتاں اب کہ اُس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گذرے

جلا جگر تپِ غم سے بھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا اتھا کیا ذکر
عبث یہ بات بڑی تجھ کو بدگمان لگی
ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی
میں اور اُس کو بلاؤں گا روزِ وصل میں ہو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی

برنگِ صورتِ بُلبُل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان لگی
سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان لگی
وہ کینہ دوز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تمھیں ایسی بھلی وہ آن لگی

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دُکھ کوئی کب تک دلِ ناشاد بھرے
ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پسِ ذبح بھی ہر دم دمِ صیاد بھرے
پھر تو سرگوشیٔ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اُس کے فغانِ گلہ ارشاد بھرے
مومن اِس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
مُنہ دُرِ آبلہ سے گرمیٔ فریاد بھرے

قتل اُس نے جُرمِ صبر جفا پر کیا مجھے   یہ ہی سزا تھی ایسے گنہگار کے لئے

لے تو ہی بھیجدے کوئی پیغام تلخ آب   تجویز زہر ہے تیرے بیمار کے لئے
چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم   طرز خرام و شوخیٔ رفتار کے لئے
جینا امیدِ وصل پہ ہجراں میں سہل تھا   مرتا ہوں زندگانیٔ دشوار کے لئے
مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بُت
ڈھونڈھے ہی تار سبحہ سے زنار کے لئے

کہاں تک دم بخود رہئے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے
کہاں تک کھائیے غم کب تک ضبطِ فغاں کیجے
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیونکر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے
دیٔ ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جائیے کچھ کھا کے عیش جاوداں کیجے
عذاب ایزدی جانکاہ ہی مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے
کہاں تلک گلہ ہائے تغافلِ قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو اُمید انفعال تو ہے
شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

تسلی دمِ واپسیں ہو چکی — ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
قلق کشتۂ سخت جانی ہے پھر — اُمیدِ اجل آفریں ہو چکی
بلا اس سیہ روز کو بزم میں — شبِ عیش اے مہ جبیں ہو چکی
کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے — کہ اس سے زیادہ نہیں ہو چکی
خیالِ اجل سے تسلی کروں — وہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی
کہیں میں ہے تو مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانیٔ دیں ہو چکی

در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے
ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

چشم خونبار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگِ حنا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

واقعی سجدۂ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

اے دل آ جانے دے اُس زلفِ مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم
بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

ہو نہ بیتاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے

ہے دل میں غبار اُس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے
کیوں کر نہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اِس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
بیمارِ اجل چارہ کو گو حضرتِ عیسےٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے
کس وقت کیا مردمکِ چشم کا شکوہ
لے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے
گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کرینگے وہ کہتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کرینگے

ٹھہری ہی کہ ٹھہرائینگے زنجیر سے دلکو — پر برہمی زلف کا سودا نہ کرینگے
اندیشۂ مژگاں نہیں گر خوں نے کیا جوش — نشتر سے علاجِ دلِ دیوانہ کرینگے
گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو — پرہیز کرینگے پہ مداوا نہ کرینگے
رکھ لیوینگے پتھر مگر ان سنگدلوں کو — چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کرینگے
ہی عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں — پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نکرینگے
جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر — پر منہ سوئے دیرِ صنم آرا نہ کرینگے
اے حضرتِ مومن یہ مسلم جو ہی ارشاد — بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کرینگے

لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سی کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

نہ کٹی ہم سے شبِ جُدائی کی — کتنی ہی طاقت آزمائی کی
رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے — میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
کیوں بُرا کہتے ہو بھلا ناصح — میں نے حضرت سے کیا بُرائی کی
دامِ عاشق ہے دل دہی نہ ستم — دل کو چھینا تو دلرُبائی کی
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے — مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
گھر تو اس ماہ وش کا دور نہ تھا — اب توقع نہیں رہائی کی
مومن آؤ تمہیں بھی دکھلادوں — سیر بُت خانہ میں خدائی کی

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چُرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

تابندہ وُ جوان تو بختِ رقیب ہے
ہم تیرہ بخت کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
یارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہ ہم سخن رقیب کو اُس کم سخن سے ہے

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت سے جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سی ہے

کیا کیا جوابِ شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اُسی دل شکن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیش بد برہمن سے ہے

اُس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے   لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

بے وفائی کا عدو کی ہے گلہ — لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے
پھونکدے آتشِ دل داغ مرے — اُس کی خو یاد دلاتے ہیں مجھے
میں تو گم زلف کی بو پر غش ہوں — چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے
وہ جو کہتے ہیں بجھے آگ لگے — مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے
اب یہ صورت ہی کہ لے پردہ نشیں — تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں — کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے
گوشِ نازک پر کسی کے رحم کر — جوشِ افغاں غُل مچانا چھوڑ دے
ہوں وہ مجنوں گر میں نے دانیں ہوں — فصلِ گل گلشن میں آنا چھوڑ دے
ناتوانی سے نزاکت ہے زیادہ — مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

پھر سینہ سوزِ داغِ غمِ شعلہ خام ہے — پھر گرمجوشیٔ دل وسودائے خام ہے
ہر مو پہ پھر ہی طائرِ مجنوں کا آشیاں — پھر فوج فوج سر پہ مرے اژدہام ہے
اُس آہوئے رمیدہ کو پھر ڈھونڈتا ہی دل — رم کردہ شوقِ وصل پھر اک صید رام ہے
پھر آگیا ہی کون سے بیباک کا خیال — یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس و نام ہے

جاں لوٹتی ہی پھر کہ وہی عیش ہو نصیب — ہم ہیں وہ مستِ ناز ہی اور وہ دورِ جام ہے
جی چاہتا ہی پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا — پھر ایک بات کہنے میں قصّہ تمام ہے
پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا — کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو حبّا غلام ہے
پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب — پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے
دیکھا نگاہِ ناز سے کس شوخ چشم نے — پھر مضطرب نظر کو جہاں نیم گام ہے
کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر — اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے
پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہی میرا حال — پھر ناصحوں کو کیوں خطرِ انتقام ہے
پھر کچھ صدائے پا سے دلِ مردہ جی اٹھا — پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہی

مجھے چپ لگی مدّعا کہتے کہتے — رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے
شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے — زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے
چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے — فسانہ دلِ زار کا کہتے کہتے
بُرا ہو ترا محرمِ راز تو نے — کیا اُن کو رسوا بُرا کہتے کہتے
ستم ہائے گردوں مفصّل نہ پوچھو — کہ سر پھر گیا ماجرا کہتے کہتے
نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ — کہ خو ہو گئی ہے صدا کہتے کہتے

میری وحشت کے لئے صحرائے قیس   تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے
یوں بہنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا   بات بگڑی میری ہی تقریر سے
اے صنم تو من ہوں آخر کس طرح   مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
ہوں سزاوار ستم میں نے کیا ہے جرم عشق
بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعزیر سے
کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اُس کو بھی زنجیر سے
اُن کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جاں کنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

بزم دشمن سے نہ اُٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
تم سے وہ کرتا ہے باتیں، رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق
لو ہم اچھے ہوگئے دردانِ بےتاثیر سے
سر پٹکتا ہے قلق میں مومنِ خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

مومن سوئے شرق اُس بت کا فر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے
ایسے دمِ آرام اثرِ خفتہ کب اُٹھا
ہم کو عبث اُمید دُعا ہائے سحر ہے
ہم حال کہے جائیں گے سُنئے کہ نہ سُنئے
اتنا ہی تو یاں صحبتِ ناصح کا اثر ہے
دِل کھول کے بل لیجئے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوئے حرم عزم سفر ہے

دِل میں اُس شوخ کے جو راہ نہ کی ۔۔۔ ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں ۔۔۔ پرسشِ حالِ دادخواہ نہ کی
تاب کم ظرف کو کہاں تم نے ۔۔۔ دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

گریہ وآہ بے اثر دونوں　　　کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
تھا مقدر ہیں اُس سے کم ملنا　　　کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
دیکھ دشمن کو اُٹھ گیا بے دید　　　میرے احوال پر نگاہ نہ کی
تو مومن اُس ذہن بے خطا پر حیف
فکر آمرزشِ گناہ نہ کی

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے　　　کیا ہی یاس نے کیا کیا اُمیدوار مجھے
نہ آسماں کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں　　　دیا ہو کیا طپش دل نے اختیار مجھے
وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں　　　بتنگ آکے حریفانِ بادہ خوار مجھے
بقدر جوش تڑپنے کو تھا دے پس قتل　　　وہ بے قرار ہوئے آگیا قرار مجھے
اُمیدِ مرگ پہ ہر فتنہ راحتِ جاں ہی　　　شبِ فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو　　　قبولِ عذر ستم ہائے بے شمار مجھے
نہ کام زور سے نکلا نہ عجز کام آیا　　　بس اب تو مین سے لے شوقِ ہرزہ کار مجھے
خدا کرے ملک الموت اُن سے پہلے آئے　　　بہت سی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے
ہر آن آن دگر کا ہوا ہیں عاشق زار　　　دہ سادہ ایسے ہیں کہ سمجھے وفا شعار مجھے
صواب ترکِ صنم سچ سہی سے تو مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

دُعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے — سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے
نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لئے — عبث میں خاک ہوا میلِ آسماں کے لئے
سُنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں — کہ سخت چاہیئے دل اپنے رازداں کے لئے
حجابِ چرخ بلا ہے ہوا کرے جیا آب — فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے
ہوا اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا — وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے
لیا ہی دل کی عوض جان دے رقیب تو دو — میں اور آپکی سوداگری زیاں کے لئے
کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امنِ قفس — ہجومِ برقِ بلا روزِ آشیاں کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے — ہمیں بھی دینی تھی جاں اُسکے امتحاں کے لئے

رواں فزائی سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لئے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
موئے آغازِ اُلفت میں ہم افسوس — اُسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی
شبِ وصلِ عدو کیا کیا جلا ہوں — حقیقت کُھل گئی روزِ جزا کی
کشادِ دل پہ باندھی ہے کمر آج — نہیں خیر آپ کے بندِ قبا کی
کیا جب اِلتفات اُس نے ذرا سا — پڑی ہم کو حصولِ مدعا کی
کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال — کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

تمہیں شور و فغاں سے میرے کیا کام　　خبر لو اپنی چشمِ سرمہ سا کی
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا　　نہیں تقصیر اُس دیر آشنا کی
جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا　　کہ تو نے کس توقع پر وفا کی
کہا اُس بُت سے جب مرتا ہی مومنؔ
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

نہ ربط اُس سے نہ یاری آسماں سے　　جفا بر عدو لاؤں کہاں سے
یہ حالت ہی تو کیا حاصل بیاں سے　　کہوں کچھ اور نکلے کچھ زباں سے
قیامت مرتے دم آئی فغاں سے　　جہاں لے کر چلے ہیں ہم جہاں سے
رہی شب کی سی بیتابی تو ہر روز　　چُرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے
مرا بچنا بُرا ہے آپ نے کیوں　　عیادت کی لبِ معجز بیاں سے
مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن　　اُٹھانا مدّعا ہے آسماں سے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب　　تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
گر اپنے وہم ہی سے اُس نے پوچھا　　مِرا احوال میرے رازداں سے
نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں　　زیادہ بدگماں اُس بدگماں سے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد　　نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
جہاں سے تنگ تر جنّت نہ ہو جائے　　بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

بُرا انجام ہے آغازِ بد کا جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے
خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے نازِ بتاں سے

وقتِ وداعِ یار عجب اپنا حال تھا کیا کرتے ہمرہی کہ ٹھہرنا محال تھا

تھے ہمیں مومن کی خودداری پہ کیا کیا اعتماد کیا خبر تھی یہ کہ یوں محوِ بتاں ہو جائے گا

محروم ہوا مومنِ ناکام محبت اے اہلِ محبت یہ ہے انجامِ محبت

در بُت خانہ پر کھڑا تھا آج مومنِ دیندار کیا باعث

میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اُس شخص کو
اِس قدر وحشی مزاجی پر بھی اِک عالم سے ربط

دستِ جنوں کے جائیے صدقے کہ چین سے
پھیلائے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں

ہی لطف بناوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں   یہ طور لگاوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں

جیوں یا مر چکوں یوں نزع کب تک   اِدھر ہو جاؤں یارب یا اُدھر ہیں

نہ ہو تو بیٹھے بٹھائے خراب اے مومن   لڑا نہ اُس بُت خانہ خراب سے آنکھیں

خوش آئے مجھ کو صبا کب گلوں کی باغ میں بو
بھری ہوئی ہے یہاں اور ہی دماغ میں بو

بجانِ دل بپیامِ یار کی تعظیم کی ہم نے   سلام اُس کا کہا قاصد نے جاں تسلیم کی ہم نے

جہاں سے یوں خاک ہم کو بروندا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
ہوئی ہے مٹی خراب کیا کیا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

خدا کے واسطے اب تو جنوں ہو سلسلہ جنباں
کوئی دیوانۂ وحشت زدہ تا دست و پا کھولے

کافر اُسے بنانا تھا یہ کیا کیا بُتو   مومن سے مل کے تم بھی مسلمان ہو گئے

دو ہی دن ہے شب درد و غم و شادی مومن
کچھ ہمیشہ نہ رہے گا نہ رہا یاد رہے

رُباعیاں

جب سے وہ گئے اُدھر نہیں یاد کیا　　بھیجی نہیں کچھ خبر نہیں یاد کیا
ہم یاد میں جس کی آہ سب کچھ بھولے　　اُس نے ہیں بھول کر نہیں یاد کیا

گر دل میں اثر نہ تیرے غم کا ہوتا　　کاہے کو یہ لوٹتا تڑپتا ہوتا
کیسی آرام سے گذرتی اوقات　　اے کاش کہ میرا دل بھی تجھ سا ہوتا

محرومِ حصولِ مدعا نے چاہا　　حسرت زدہ بختِ نارسا نے چاہا
مومنؔ اُس بت نے گر نہ چاہا نہ سہی　　ہم خوش ہیں اسی میں جو خدا نے چاہا

گہ دیں میں تھا لقب یگانہ اپنا تھے بُت سے خفا
گاہے صنموں کو ہم نے جانا اپنا اللہ ری خطا
سب دیر و حرم کی خاک چھانی مومنؔ کیا خاک کہیں
دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا جی بیٹھ گیا

جب پاسِ وفا اُسے ہمارا نہ رہا — ہم کو بھی خیال دوستی کا نہ رہا
قربان میں کس ادا سے کہتا ہے بتیس — اتنے ہی میں عاشقی کا دعویٰ نہ رہا

یوں کاہے کو یار بے وفا جانا تھا — یوں کاہے کو دشمن آشنا جانا تھا
ایسا کہیں آتا ہے دِل ایسے پر بھی — کیا جانیئے میں نے تم کو کیا جانا تھا

اندیشۂ پایانِ جفا کرنا تھا — نادان ذرا پاسِ وفا کرنا تھا
غیروں کے لئے ہاتھ سے کھویا ہم کو — کیا تم نے کیا اور آہ کیا کرنا تھا

ہے عہدِ شباب زندگانی کا مزا — پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا — باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

ہے طرفہ ستم آن کے پھر گھر جانا — حسرت زدہ جینا بھی ہے گو مر جانا
پر مجکو سحر تلک نہ جینے دے گا — تیرا یہ شب بخیر کر کر جانا

لکھا نہ گیا اگرچہ دفتر لکھا — لکھا وہی بالکل کہ ہے دِل پر لکھا
حیراں ہوں کہ جو حال پریشاں ہے مرا — یہ کاتب تقدیر نے کیونکر لکھا

مومن دل سا مکاں جو برباد ویا مانند حباب
ان سنگ دلوں کو دے کے کیا خاک لیا جز رنج و عذاب
یعنی وہ مکاں کہ تھا خدا کا مسکن کرنذر بتاں
برباد اُسے کیا یہ کیا کام کیا اے خانہ خراب

اے خواجۂ خواجگاں دم خشم و عتاب | کیا تاب کہ دے سکے کوئی تجکو جواب
گر جُرم کا میرے وزن کرنا ٹھہرا | انصاف سے کر اپنے کرم کا بھی حساب

اے حلقۂ زلف دام داری ہی عبث | اے ناز و ادا کمیں ہماری ہی عبث
یاں دل سے قرار جا چکا ہے کب کا | اے شوخیٔ یار بے قراری ہی عبث

پامال ہوں میں اگر جفا سے ناصح | کیا کام تجھے تیری بلا سے ناصح
جس بت کو کہ پوجے خلق میں دل بھی نہ دوں | کیا ظلم ہے ڈر ذرا خدا سے ناصح

مومن نے کیا نام محبت برباد | ہی طوف حرم میں اور کیا دل شاد
آتا ہی یہ جی میں پوچھیے کیوں حضرت | اب بھی وہ بتوں کے گرد پھرنا ہی یاد

ہمت ترے عشق کی لگا دی مجھ پر کردی مری جان حرام شادی مجھ پر
نے دن کو قرار اور نہ ہر رات کو خواب دل نے مرے ہائے کیا بنا دی مجھ پر

ہی ضعف سے دل پہ ہاتھ دھرنا دشوار جب دم نہ رہا تو نام کرنا دشوار
اُس پر یہ غضب کہ حسرتوں کا ہی ہجوم جینا دشوار مجھ کو مرنا دشوار

کعبہ سے اٹھا ابر ہمیں سوجھی دیر پرہیز یہ بے راہ روی دیکھو سیر
واللہ بڑا ہے ابر رحمت کا ہجوم توبہ کی نہیں آج نظر آتی خیر

مومن شوقِ گناہگاری کب تک صحرا صحرا یہ خاک اُڑائیں کب تک
ناچار جہاں سے ہم اٹھ جاوینگے جور و ستم فلک اٹھائیں کب تک

بدنام کیا تیرا بُرا ہو اسے دل ناکام کیا تیرا بُرا ہو اسے دل
مومن کو بتوں سے کیا سروکار بھلا کیا کام کیا تیرا بُرا ہو اسے دل

ہے تم کو عداوت آزمانا معلوم کیا زیست کہ گور پر بھی آنا معلوم
ہم جان سے جائیں یا جہاں سے لیکن ہو آپ کے دل میں کچھ ٹھکانا معلوم

اب ہم پہ جو ہر گھڑی وہ جھنجھلاتے ہیں　　الطافِ قدیم آہ یاد آتے ہیں
تھا یا تو لطف یا یہ نفرت اللہ　　لوگ ایسے بھی دُنیا میں بدل جاتے ہیں

پائی یہ سزا چاہ کی جی کھوتا ہوں　　ہنسنے کی ہی کیا جائے اگر روتا ہوں
اس جور پہ اب تلک نہیں شرم تمہیں　　میں ذکرِ وفا کر کے خجل ہوتا ہوں

آرام و سکوں کہاں ہے بیتابی میں　　صد برق تپاں نہاں ہے بیتابی میں
اک آن بھی دل کو چین لینے نہ دیا　　تیری ہی سی شوخیاں ہیں بیتابی میں

کیا خوب عذاب میں گرفتار ہوں میں　　جاں دادۂ لطفِ تنگِ اغیار ہوں میں
جلنے سے برسے وہ دشمنی سے خوش ہے　　جانے ہے زندگی سے بیزار ہوں میں

تاثیر یہ پند کی ہے میں بھی کیا کہوں　　یہ کہتے ہیں آپ اور میں جلتا ہوں
ارے حضرتِ مومن اب تمہاری ضد سے　　انشاء اللہ پھر بتوں کو چاہوں

اتنا عاشق پہ ظلم اتنی بیداد اے آفت جاں
یہ لوگ جہاں میں شوخ کا فرجلّا د پیدا ہیں کہاں

صد حیف نہ جانی قدر اس کی تو نے تھا ایک ہی وہ
افسوس کی بات ہے کہ یوں ہو برباد مومن سا جواں

ہر لحظہ جو ناامید تر ہوتا ہوں　　بے فائدہ میں رو رو کے جی کھوتا ہوں
قسمت میں شب روز لکھا ہے رونا　　قسمت کے لکھے کو رات دن روتا ہوں

یہ حکم خدا کہ قطرہ مے کا نہ پیوں　　اور مرضیٔ جاناں نہ کہ پیاسا نہ پیوں
تو یہ بھی عزیز خاطرِ ساقی بھی　　حیراں ہوں کہ پھر بادہ پیوں یا نہ پیوں

کیا طولِ عمل سے جان کو شاد کروں　　حسرت سے دلِ خراب آباد کروں
بیزار ہوا ہوں اس قدر دنیا سے　　گر ہاتھ لگے تو خوب برباد کروں

جنت میں ہے روزِ حشر جانا مومن　　ناداں نہ بن کہ تو ہے دانا مومن
ہر رات نہ مل تو دوسرے صنم سے آخر　　اک دن ہے خدا کو منہ دکھانا مومن

ہے فکر سدا کوئی نہ چاہے تجھ کو　　ہو کچھ ایسا کوئی نہ چاہے تجھ کو
شکوہ کر کے کروں گا سب میں رسوا　　تا میرے سوا کوئی نہ چاہے تجھ کو

کیسے دیئے پیچ و تاب دل نے مجکو		دکھلائے یہ سب عذاب دل نے مجکو
وحشت زدہ کو بکو پڑا پھرتا ہوں		کیا کیا نہ کیا خراب دل نے مجکو

نہ صبر و سکوں کا گھر میں یارا مجکو		نے کوچۂ یار میں گذارا مجکو
سیماب کی طرح ایک دم چین نہیں		بے تابیٔ دل نے آہ مارا مجکو

پھر کوئی صنم پسند آئے مجکو		کوئی بُت مہر جلوہ بھائے مجکو
جس دن سے دکھائیں اندھیری راتیں		وہ دن اللہ پھر دکھائے مجکو

کیا خوار و زبوں کیا دفا نے مجکو		کونے میں بٹھا دیا حیا نے مجکو
نظروں سے بتوں کی گر پڑا تھا مومن		صد شکر اُٹھا لیا خدا نے مجکو

میں کیا کہوں اپنے مُنہ سے کیسے تم ہو		تم آپ ہی جانتے ہو جیسے تم ہو
ہرجائی و ناقدر عدو کو نہ کہو		کہہ بیٹھے کوئی مبادا ایسے تم ہو

اُلفت میں بھی مجکو دُکھ دیئے جاتے ہو		ذکر ندامت کا کئے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا نام نہ لوں		یوں بھی تو وہی نام لئے جاتے ہو

بے فائدہ غیروں سے جُدا ہوتے ہو		کب مائلِ اربابِ وفا ہوتے ہو
اِک ایک سے میری بے وفائی کا گلہ		کچھ خیر ہے غیرت سے خفا ہوتے ہو

کب تک ربطِ بتانِ دلجو کی نبا‌ہ		کب تک فکرِ حصولِ حشمت و جاہ
آتا ہے یہ جی میں چھوڑ سب کچھ مومن		اِک کونے میں بیٹھے کیجے اللہ اللہ

بے شاہد و بادہ صبر توبہ توبہ		اس عمر میں دل پہ جبر توبہ توبہ
ایامِ شباب اور دلجو ساقی		فصلِ گُل و جوشِ ابر توبہ توبہ

دل درد کا مبتلا خرابی یہ ہے		تو یار سو بے وفا خرابی یہ ہے
میں جان و دل تجھ پہ ہو نہ تجکو معلوم		اے خانہ خراب خرابی یہ ہے

شوخی تھی یہ بس مرے ستانے کے لئے		گرمی تھی یہ آگ پر لٹانے کے لئے
دشمن پہ گناہ سرد مہری کے سبب		تم آگ ہوئے مرے جلانے کے لئے

افسوس شکایتِ نہانی نہ گئی		دل پر سے فریب کی گرانی نہ گئی
الطاف تھے بسکہ روبروئے دشمن		اُس شوخ سے مجکو بدگمانی نہ گئی

مومن یوں بھی کسی پہ مرتا ہے کوئی　　اس طرح بھی جان سے گذرتا ہے کوئی
خود کام کو کیا سمجھ کے دل تو نے دیا　　نادان ایسا بھی کام کرتا ہے کوئی

ہے بزم طرب میں اور ہی پامالی　　مستی نے نئی خلش یہ دل میں ڈالی
حسرت سے فلک کو دیکھ کر کہتا ہوں　　یا رب یہ سبو کیا ہے کس نے خالی

مومن لازم ہے وضع مرغوب بنے　　جو رنگ ہو آدمی خوش اسلوب بنے
کیا خرقہ دعا مہ ہے اللہ اللہ　　جب شکل بگڑ گئی تو تم خوب بنے

فرمائیے رات آپ کی کیونکر گذری　　ہر آن قیامت مرے دم پر گذری
تھی بسکہ خبر جوش مرض کی مجھے رات　　بیمار کی رات سے بھی بدتر گذری

پھر چہرے ہوئے سرخ سیہ کاروں کے　　نورو زہے دن پھرے گنہ گاروں کے
بے وجہ نہیں کہ ابر رحمت ہے سیاہ　　دھوئے ہیں مگر گناہ میخواروں کے

وصلت میں کبھی مزا نہ پایا ہم نے　　عشق ایک فریب تھا کہ کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے　　جی کے یہ عبث عذاب اٹھایا ہم نے

ہوتے نہ جدا اگرچہ برائی کرتے　　لے جان اتنی ہی دل فزائی کرتے
جاں پاس رہی ہی مرتے دم تک اے کاش　　تم بھی ایسی ہی بے وفائی کرتے

واسوخت

دوستو عشقِ نہفتہ نے ستایا ہے مجھے　　آتشِ شوقِ نہانی نے جلایا ہے مجھے
کیا کہوں کیا غمِ پنہاں نے دکھایا ہے مجھے　　ضبطِ وحشت نے یہ دیوانہ بنایا ہے مجھے
چہرۂ زار سے پردہ نہ اٹھاؤں کب تک
گو غم پردہ نشیں ہے پہ چھپاؤں کب تک

تابِ پرخاشِ ستم ہائے نہاں کی حد بھی　　قوتِ کشمکشِ آہ و فغاں کی حد بھی
کچھ فریبِ دلِ بیتاب و تواں کی حد بھی　　ضبطِ سوزانِ نفسِ شعلہ فشاں کی حد بھی
کیونکہ خالی نہ کروں جی کہ بھرا آتا ہے
پیش چلتی جو نہیں غصہ چلا آتا ہے

کب تلک کوئی نہ سرگرمِ حکایت ہووے　　کب تلک لب نہ شرر ریزِ شکایت ہووے
ہو تحمل جو تحمل کی نہایت ہووے　　کیجیے صبر اگر صبر کی غایت ہووے
کچھ زباں بھی تو نہیں زور کہ چل ہی نہ سکے
غم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے

جب سے عاشق ہوئے ہم رنج نہ پائے کیا کیا　　لب پہ آئے نہ گلے جی میں گر آئے کیا کیا
کیا کہیں آہ کہ خاطر میں نہ لائے کیا کیا　　جب تلک تاب رہی ناز اٹھائے کیا کیا
پر نہیں حوصلۂ نیم ستم بھی اب تو
بے وفا ہائے ہوئے جاتے ہیں ہم بھی اب تو

دِل مرے کہنے میں ہووے تو کچھ اب بنی کہوں   پر بگڑ ہی گئی جب بات تو کیوں بات سہوں
اس کو بھی چاہیئے طاقت کہ میں چپ بیٹھ رہوں   کچھ بن آتی ہی نہیں ہائے عجب رنج میں ہوں

دل پہ کیا ہاتھ دھروں ہاتھ ہی قابو میں نہیں
سر ہے کس پہ کہ حالت مرے زانو میں نہیں

دل ہے یا دشمنِ جانی کہ ستاتا ہی مجھے   داغ ہے یا تپِ غیرت کہ جلاتا ہے مجھے
جوش ہے یا شبِ وعدہ کہ پھراتا ہی مجھے   شکوہ ہے یا خبرِ وصل کہ بھاتا ہے مجھے

غش مگر اُس کا تصوّر ہے کہ آجاتا ہے
جی بھی معشوق ہے گویا کہ چلا جاتا ہے

ہم پہ جو گذرے قلق اُنکی بلا سے گذرے   جان سے جائیں بلے وہ نہ جفا سے گذرے
ہو وفا سے یہی حاصل تو وفا سے گذرے   کب تلک کچھ نہ کہیں ایسی حیا سے گذرے

پاسِ ناموس ہمیں کیوں ہو جب آنکو ہی نہیں
جس نظر سے کہ لحاظ آئے تھا وُہ ہی نہیں

ملک الموت بھی آتا نہیں ہاں کیا کیجے   کچھ توقع نہیں دلجوئی حباں کیا کیجے
نہیں کہنے میں زباں منع زباں کیا کیجے   دم ہی باقی نہ رہا ضبطِ فغاں کیا کیجے

نالہ گرم و دمِ سرد کی طغیانی ہے
کوئی دن اور جو دُنیا کی ہوا کھانی ہے

دل کو اُس دشمنِ جانی سے لگانا ہی نہ تھا   باتوں پر اُس لبِ مبارک کے جانا ہی نہ تھا

دم میں اُس چشمِ سخن ساز کے آنا ہی نہ تھا　جو کرم سہنے تھے یہ قصہ بڑھانا ہی نہ تھا
اب بھی اے کاش کچھ ایسا ہو کہ جھگڑا جائے
رحم آ جائے اُسے یا مجھے صبر آ جائے
خوب کرتے ہیں کہ وہ ظلم کئے جاتے ہیں　رنج دینے کو دل اوروں کے لئے جاتے ہیں
داد بے رحمی و بیداد و شیئے جاتے ہیں　ہم بھی اک اتنی توقع پہ جئے جاتے ہیں
کہ جو ہو اب کے ملاقات تو بدلا لے لیں
جن سے وہ خوب لئے جائیں وہ طعنے دے لیں
چشمِ فتاں نگہ شوخ وہ شرما جائے　عرق شرم کے طوفان میں ڈوبا جائے
جی یہ کچھ ایسی بنے رُخ پہ تغیر آ جائے　بگڑے یہ چہرہ کہ مجھ سے بھی نہ دیکھا جائے
ہوشے یہ رنگ کہ پھر مُنہ وہ دکھا ہی نہ سکے
سر کو زانو سے مری طرح اُٹھا ہی نہ سکے
اب کے ہو گر مئی صحبت تو جلاؤں واللہ　کیا ستایا ہے مجھے جو میں ستاؤں واللہ
رُوئے تو اور بھی ہنس ہنس کے رُلاؤں واللہ　رنگ اُڑ جائے پر آئینہ دکھاؤں واللہ
بس وہ حیران ہی رہ جائے یہ حیران کروں
اس کی تصویر نکال اپنے پہ قربان کروں
چھیڑنے کو کہوں بیہودہ زمانہ کیا تھا　کہ شب و روز کوئی آپ کے گھر رہتا تھا
دیکھا میری بھی صورت کا کوئی شیدا تھا　نام مومن بھی کسی چاہنے والے کا تھا

یا کہیں سب کو رقیبوں کے سوا بھول گئے
مجھکو پہچانتے ہو کون ہوں یا بھول گئے

اب بھی کچھ یاد ہیں وہ روز مری جاں تمکو — جن دنوں میں تھے شبِ وصل کے ارماں تمکو
آئینہ دیکھنے دیتے نہ نگہباں تم کو — اقربا کیسا کیا کرتے تھے حیراں تم کو
گھر میں بھی پھر نہیں سکتے تھے رہا قید میں کیا
آپ تھے سن تھی غرض حسن میں کیا قید میں کیا

ہم نشیں ایک نہ یا سر نہ اٹھانے دیتے — سرِ دیوار سے جلوہ نہ دکھانے دیتے
جھانکنے کے لئے در تک بھی نہ آنے دیتے — کہیں شادی ہوتے تم کو نہ جانے دیتے
اُس پہ پیدا کئے یوں چاہنے والے تم نے
گھر میں بیٹھے ہوئے یہ پاؤں نکالے تم نے

اپنے ہی حال میں تھی زلفِ گرفتار سدا — کھاتی پرہیز سے غم نرگسِ بیمار سدا
غمزہ کو نوکِ مژہ سے خلشِ خار سدا — تازہ آزار ہیں ہر عشوۂ بیکار سدا
آرزو چشم کو وحشی نظری کی کتنی
دستِ مژگاں کو ہوس پردہ دری کی کتنی

قیدیٔ سلسلۂ زلفِ دوتا ایک نہ تھا — بے سبب کشتۂ شمشیرِ جفا ایک نہ تھا
پائمالِ روشِ فتنہ فزا ایک نہ تھا — نامِ رسواکنِ اندازِ حیا ایک نہ تھا
حیرتِ حسن کے چرچے سے خجل ہوتے تھے
کیسے افسوس سے دیکھ آئینہ کو رہتے تھے

شوخیِ وحشتِ اطفال کہاں تھی ایسی — خلق رفتار سے پامال کہاں تھی ایسی
بانگِ شورافگنِ طفلاں کہاں تھی ایسی — یہ چلن کاہے کو تھا چال کہاں تھی ایسی
آنچلوں سے کبھو تعیش کہاں جھڑتا تھا
کب دوپٹہ یہ مری طرح گرا پڑتا تھا

گرم تھا یوں ملک الموت کا بازار کہاں — زندگانی سے تھے کم حوصلہ بیزار کہاں
گریہ کو تھی یہ فغاں ہائے عزادار کہاں — ہر اشارے پہ چلا کرتی تھی تلوار کہاں
نہریں خون کی کس روز بہا کرتی تھی
یہ وہی کو ہے جہاں خاک اڑا کرتی تھی

تم کو یہ طور یہ انداز کہاں آتے تھے — ستم حادثہ پرداز کہاں آتے تھے
ایسے دم ہائے فسوں ساز کہاں آتے تھے — اس قدر صبر فزا ناز کہاں آتے تھے
یوں الگ رہنے میں عاشق سے لگاوٹ کب تھی
رو رہے وہ بگڑنے میں بناوٹ کب تھی

زلف تھی ہم اثرِ شامِ غریباں کس دن — صبحِ محشر تھا بھلا چاکِ گریباں کس دن
برقِ خرمن تھا کبھو خندۂ پنہاں کس دن — سرمہ تھا رشکِ بلائے شبِ ہجراں کس دن
خوبیِ طرزِ تغافل کی خبر کاہے کو تھی
شوخیِ جنبشِ مژگاں پہ نظر کاہے کو تھی

حلقۂ دام نہ تھا حلقۂ گیسو ہرگز موجِ شمشیر نہ تھی جنبشِ ابرو ہرگز
دہنِ قلق نہ تھی طبع جفاجو ہرگز فتنہ پردازیوں کی کچھ بھی نہ تھی خو ہرگز

چشمِ فتاں کو خیالِ نگہِ ناز نہ تھا
غمزہ مانند مرے اشک کے غماز نہ تھا

مجھ سے جب تک نہ لڑی تھی برسرِ پیکار نہ تھے لے گئے جب مجھے دلکو تو دل آزار نہ تھے
مجھکو جب کام پڑا ہے تو جفا کار نہ تھے ایسے بے درد و ستم پیشہ و خونخوار نہ تھے

طرزِ عشاق کشی آپ کو معلوم نہ تھی
شہر میں الحذر و ہولہ کی دھوم نہ تھی

جان سی آگئی تھی طبع کے آجانے سے کیا ہی خوش ہوتے تھے لیس مرے غم کھانے سے
شوخیٔ مدہ زفروں تھی مرے گھبرانے سے ہاتھ سی جاتے تھے دل کے مرے ہاتھ آنے سے

یہی دم بھرتے تھے جو دم مرا بھرتا ہے کوئی
اس پہ مرتے تھے کہ اب ہم پہ بھی مرتا ہے کوئی

دم بدم کیا مری دلجوئی و دلداری تھی دوستی تازہ نیا شوق نئی یاری تھی
وصل میں صبح تلک شام سے بیداری تھی ہمکناری و سیہ مستی و مے خواری تھی

غش مری بے خودیٔ نشہ سے آنے لگتے
دیکھ کر گریۂ مستی کو بھی رونے لگتے

بیمروّت تھی اُن آنکھوں میں مروّت کتنی　　رات دِن مدِ نظر تھی مری اُلفت کتنی
بدگماں تھی نگہِ چشمِ محبت کیسی　　دُور بیں تھی نظرِ لطف و عنایت کتنی

بے مروّت نظر آتے ہو کہا کرتے تھے
دیکھتے ہی مری چتون کو رہا کرتے تھے

اب تو بے رحمی و بیدردی و بیباکی ہے　　بے سبب رنجش و بے وجہ غضبناکی ہے
لطف میں سُستی و آزار کی چالاکی ہے　　کھو دیا آپ کو کیا وضع یہ پیدا کی ہے

جان سی جاتے ہیں ہم اور تمہیں پروا ہی نہیں
ہو گئے ایسے کہ گویا کبھی کچھ تھا ہی نہیں

اِک مصیبت ہے نہ کھاتا ہوں نہ میں سوتا ہوں　　ہے غذا خونِ جگر ضعف سے غش ہوتا ہوں
یادِ ایام ملاقات میں جی کھوتا ہوں　　رات دِن کلبۂ احزاں میں پڑا روتا ہوں

خندہ زن زخمِ جگر دیکھ کے ہر دم اپنے
یاد آتے ہیں وہ گُل خندۂ پیہم کتنے

گو سوا شربتِ دیدار مرا چارہ نہیں　　جز نظر تارِ رفوئے دلِ صد پارہ نہیں
پھر وہاں آن پھر دل نیا ابھی آوارہ نہیں　　کیا کروں صبر نہیں طاقتِ نظارہ نہیں

کیونکہ شب بے ہوئے تیور یہ تمہارے دیکھوں
کیونکہ ان آنکھوں سے غیروں کے اشارے دیکھوں

چھوڑ دینا تھا تمہیں جھوٹ قسم کو نہ مجھے　　دل سے کھونا تھا اس انداز ستم کو نہ مجھے
بھول جانا تھا جفائے پے ہم کو نہ مجھے　　نیست کر دینا تھا اندوہ و الم کو نہ مجھے

قابلِ ترک تھی خوئے ستم آرا کہ نہیں
لائق سہو تھی یہ رنجش بیجا کہ نہیں

غیر میں بے مزہ وصل گوارا کیوں ہو　　وہ جواب اُن کو تو پھر عرض کا یارا کیوں ہو
سب گذرے تو کسی کا بھی گذارا کیوں ہو　　گر پڑے چشم سے جو اُن سے اشارا کیوں ہو

کس لئے شعلہ نظر بازی بیباک رہے
پردہ کیوں میرے گریباں کی طرح چاک رہے

ہائے کیا وہ لطف پے پے ہم چھوڑ دیا　　انس و اخلاص و دلاسا و کرم چھوڑ دیا
چارۂ رنجش و درمانِ الم چھوڑ دیا　　میں نے بھی آپکو اس سر کی قسم چھوڑ دیا

اب اگر دو بھی تو داد دلِ ناکام نہ لوں
گو کہ بدنام ہوا ہوں پہ کبھی نام نہ لوں

جب نہ چاہو تو کسی واسطے چاہوں میں بھی　　بیوفا نکلے تو کاہے کو نباہوں میں بھی
تم ہو گرفتنۂ دوراں تو بلا ہوں میں بھی　　خوب ہی جان لکھو یہ کہ بُرا ہوں میں بھی

پھر اُدھر منہ نہ کروں شکل دکھانا تو کہاں
اُس طرف سے نہ چلوں کوچے میں آنا تو کہاں

دل سے بے حد کر مٹنے کی قسم کھاؤں گا آن بیٹھو گے کہیں پاس تو اٹھ جاؤں گا
گھر میں بھی آنے تو صحرا کو نکل جاؤں گا کیونکہ گھر دوں کہیں پھر جان کہاں پاؤں گا

دم پڑا آنکھوں میں یہ صدمہ مرے دل پر گذرا
گذری دنیا سے جلا تم ہی سے میں در گذرا

دیکھ لوں گا میں بس اب مہر لقا اور کوئی برق وش شعلہ وش گرم ادا اور کوئی
آتش خرمن آزار و جفا اور کوئی شمع کاشانۂ فروزانِ وفا اور کوئی

تو بھی آتش غیرت سے جلاؤں تم کو
تم تو کہتے ہو میں سچ آگ لگاؤں تم کو

وہ پری زاد کہ دیوانہ ہو عالم اُس کا طاق محراب بلا طرۂ خوش خم اُس کا
چشم جادو و فسوں عشوۂ پیہم اُس کا تیز تیر ایسی نگہ دشنہ بھرے دم اُس کا

تیغ ابرو کی یہ جنبش ہو کہ بس تو کٹ جائے
دست فرگاں کے اشارے سے کلیجا پھٹ جائے

نکلے ہر بار نئی طرز ملاقات میں بات بذلہ آمیز بیاں حرف و حکایات میں بات
کبھی داستے کبھی ایما و اشارات میں بات ہر سخن میں سخن نغز ہو ہر بات میں بات

چپ ہی لگ جائے مجھے جب وہ فسوں گر بولے
ہر بگہ بند کرے جب وہ زباں کو کھولے

رات دن نغمہ سرا زمزمہ پرداز ہے ہے   اپنے شوریدۂ ناکام سے دمساز ہے ہے
طعن و تشنیع میں بھی چاشنیٔ ناز رہے   سخنِ تلخ سے لذت وہ انداز ہے ہے

گالیاں جب لب شیریں سے سنائے تجکو
دانت کھٹے ہوں ترے بات نہ آئے تجکو

دعوئ نیکوئی اس سے تری شامت ہووے   جو ترے سامنے ہو تجکو ندامت ہووے
روشن اُس فتنۂ محشر کی علامت ہووے   جب ترے پاس سے نکلے تو قیامت ہووے

لگ چلے بھی تو اگر اُس بت مغرور کے ساتھ
پہنچے مرنے کے قریب ایک ہی چل دو کے ساتھ

ہائے جی بیٹھ گیا بس کہ اٹھائے ہیں ستم   دل کھنچے کیونکر بہت کھینچ چکا رنج و الم
صدمۂ عشق نے بے طور کیا اک میں دم   ایسا بیزار ہوا ہوں کہ خدا ہی کی قسم

اُس نے بھی کام نہ رکھا تو نہ رکھوں گا کام
پھر یہ سمجھوں گا کہ تو حسن کو تھا کیا کام



ترکیب بند مرثیہ محبوب

خمیازہ عیش کا مرا دل کھینچتا ہے آج — آغوشِ رشکِ حلقۂ اہلِ عزا ہے آج
برباد شور رعد ہوا آبِ اشک پر — کیسا وفورِ شیون و جوشِ بکا ہے آج
جیتے لہے تو لال طمانچوں سے منہ کیا — تغیرِ رنگ شرم و خجالت فزا ہے آج
پانی کے بدلے منہ میں بھر آئے ہے لہو — لب کاٹنے میں ہچکیاں و مزا ہے آج
مجکو نہ اپنے ساتھ عدم میں لے گیا — ہر دم شکایتِ نفسِ نارسا ہے آج
آوازِ ہائے ہائے کی آتی ہے متصل — گردوں طلسمِ گنبدِ ماتم سرا ہے آج
اتنے کہاں حواس کہ تدبیرِ مرگ ہو — اپنی خبر نہیں مجھے کیا جانے کیا ہے آج
اے دل خبر لے نغمۂ شادی کو کیا ہوا — لب پر ہمارے نالۂ واحسرتا ہے آج
پیٹے مجھے جو رو کے وہ کہتے تھے بارہا — کیا رونے اسی کا ہمیں پیٹنا ہے آج
اتریں گلے سے گھونٹ نہ آبِ حیات کے — دلِ آہ زندگانی سے کتنا خفا ہے آج

مرنا یہ کس کا جان سے بیزار کر گیا
ماتم میں مر رہا ہوں میں یہ کون مر گیا

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیا ہوا — دم میں نہیں ہے دم کسے جاناں کو کیا ہوا
سر پیٹتا ہوں تھامنا پڑا دونوں ہاتھ سے — کیا جانے اسکی زلفِ پریشاں کو کیا ہوا

بیتی ہے اپنا خونِ دل افسوس سے خا اُس سبِ لعلِ بخوُمرجاں کو کیا ہوا
شبنم کو پھر اِک جانبِ خورشید التفات شرمندہ مسازِ مہر درخشاں کو کیا ہوا
دل میں شکن ہے زلفِ مسلسل کدھر گئی برہم ہے حال کاکلِ پیچاں کو کیا ہوا
لذت فزا نہیں الم اس لب پہ کیا بنی کچھ زخم بے مزا ہیں نمکداں کو کیا ہوا
بوئے قبائے یوسفِ گل ہی نسیم میں اس کی شمیمِ عطرِ گریباں کو کیا ہوا
گردش پہ اپنی ناز ہے پھر روزگار کو اس چشمِ رنگِ فتنۂ دوراں کو کیا ہوا
دعویٰ ہی شوخیوں کا غزالانِ دشت کو اُس خوش نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا
کتاں نے ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر اس روئے غیرتِ مہِ تاباں کو کیا ہوا

عیب و حجاب شمع رخانِ جہاں گیا

وہ مہر آسمانِ نکوئی کہاں گیا

یہ گلستاں سرائے تماشا نہیں رہا وہ نوبہار گلشنِ دنیا نہیں رہا
افسوس کوئی پردہ نشیں پردہ در نہیں وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا
حیف اپنی تلخ کامی و شوریدہ طالعی جس سے کہ زندگی کا مزا تھا نہیں رہا
لے چرخ چاہنے سے رہے روزگار کو کیا چاہیں روزگار پہ تمنا نہیں رہا
اپنی خرابیوں کو کہاں جاکے روئیے وہ شمع روئے انجمن آرا نہیں رہا
دل میں جگہ نہ ہونے کا کس سے گلہ کروں وہ قدردانِ شکوۂ بیجا نہیں رہا
کس کو گلے لگائیے لے شوقِ ہم کنار وہ خوش گلے سینہ تمنا نہیں رہا

کس سے نبھائے کہ سوائے وفا کے | دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا
اب کس کو دیکھیے کہ کسی کو نہ دیکھیے | وہ پردہ سو بہ چشم تماشا نہیں رہا
اس نو بہ چشم حسن کو کیونکر نہ روئیے | آنکھوں میں ہوئے اب کوئی ایسا نہیں رہا

ہر دم جبیں آئینہ آلودہ نم سے تھی
یہ آب و تاب حسن اسی مہ کے دم سے تھی

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تاب رقم نہیں | ہیں نالہ ہائے صور صریر قلم نہیں
اٹھی ہو نعش خوش قد محشر خرام کی | یہ حادثہ نزول قیامت سے کم نہیں
ایسا گیا کہ یاں تلک آنا محال ہے | کہتے تھے ہم کہ آنکی طبیعت میں رم نہیں
جا کر رہیں گے عرش پہ ارباب تعزیہ | اس جوش میں سمائے یا لیا الم نہیں
وحشت بری نگاہ سی ہو کیونکہ جلوہ گر | آتا نظر وہ سلسلۂ خم بہ خم نہیں
پہنچا دیا ہے بیخودیوں نے قریب مرگ | اے چارہ گر آپ میں آئے تو ہم نہیں
یہ زندگانی اہل ہوس کو نصیب ہو | میں ناتواں سزائے جفا و ستم نہیں
بیداد گیہ تازی ترک فلک نہ پوچھ | کوئی نہیں جہاں میں کہ پامال غم نہیں
اہل زمانہ دیدۂ بادام کی طرح | وہ آنکھ پھوڑ ڈالتے ہیں جس میں نم نہیں
ازبسکہ ہے جان سے اٹھ جانے کا خطر | اب حضرت مسیح کے بھی دم میں دم نہیں

افسوس ہوئی وہ جان جہاں جلئے ہات سے
دینا تھا غسل خضر کو آب حیات سے

اُس حور وش سے ہائے کیا ہے جُدا ہمیں   اس زندگی کے ہاتھ سے مرنا پڑا ہمیں
دیکھو نہ جان کھا تو بھلا خاک کھائیے   غم بھی دیا فلک نے تو کیا بے مزا ہمیں
شیریں تنیں وہ خون کہ پیتے ہیں جائے آب   شکوہ ہے اپنے طالع شوریدہ کا ہمیں
چھلنی تو پاؤں ہو گئے اِس جستجو میں ہائے   بیجا ہے خاک چھاننی وہ کب ملا ہمیں
اُس تک پہنچنے کی کوئی تدبیر ہی نہیں   اے کاش خضر آن کے ہو رہنما ہمیں
اُس گھر کو شے کے گلشنِ شداد سے مثال   گرتے ہیں دہ پہ تا کہ اُٹھائے خدا ہمیں
جنبش نہیں کہ زخم کوئی کارگر لگے   تیغِ مژہ کا لاکھ تصور بندھا ہمیں
بجلی نہ ایک بار گری ہم پہ یا نصیب   دن رات گو خیالِ تبسم رہا ہمیں
دامن پکڑ کے روئیں نہ کیوں ایک ایک کا   جب چھوڑ جائے بیکس و تنہا قضا ہمیں
یہ جوشِ تنگ خاک میں مِل جائیے اے خدا   ہے اس سے ایسی مہر و وفا پر گلا ہمیں

کیا کیا کدورتیں ہیں دِلِ ناصبور میں
کیوں نیند آگئی اُسے آغوشِ گور میں

میں مر رہا ہوں اُس کی بلا کو خبر نہیں   نامہ کی بات کون سنے نوحہ گر نہیں
مجھ پر بھی ہو عذاب شبِ اولین گور   اے موت آکہ تابِ قلق تا سحر نہیں
ایسا کہ اُس سے عرض کرے جا کے یہ پیام   ملتا جہان میں کوئی پیغامبر نہیں
یاں جوشِ غم میں موت سے بدتر ہے زندگی   آپ آکے دیکھ جائیے باور اگر نہیں
میرا لہو پئے جو گلا کاٹنے نہ دے   ہمدم خیالِ تیغ مژہ میں اثر نہیں

اے ہم‌نشیں تڑپنے نہ دے خاک پر ذرا　　ایسا تو آسمان بھی بیداد گر نہیں
پتھر پہ سر پٹکنے نہ دے آسماں کہ آج　　بالندے نرم نرم پہ بالینِ سر نہیں
چھوڑ آستیں کہ جامۂ ہستی قبا کروں　　غم خوار دھیان آیا کہ میں جامہ در نہیں
بیچارہ بے قرار ہی درماں کی فکر میں　　آنکھ وہ میرے درد سے مشفق مگر نہیں
بے فائدہ نہیں ہے مری خاک بے زباں　　اُس کے حصول کی تجھے ہمدم خبر نہیں

اُس سیم تن کو ہائے ملایا ہی خاک میں
گردوں نے گنجِ حسن چھپایا ہی خاک میں

ویراں ہے خانہ جلوۂ حیرت طراز کا　　آئینہ دیکھتا ہے منہ آئینہ ساز کا
ہاتھوں سے اپنے مہرۂ تریاک کھو دیا　　بگڑا ہے کھیل کیا فلکِ حقّہ باز کا
پہلے ہی اذنِ عام کہا لغزشِ پا پر　　غیرت سے انتظار نہ دیکھا ناز کا
سر پیٹتی ہیں حلقۂ ماتم میں قمریاں　　نخلِ عزا ہے آہ یہ کس سروِ ناز کا
کب پہنچے باغِ خلد میں ہم سے گنہگار　　ہے تنگ قافیہ ہوسِ ہرزہ کاز کا
زندہ ہی دفن کر دو مجھے دوستو کہ اب　　محتاج کون ہو اجلِ بے نیاز کا
ہے کفر مت کہ اب یہ کس سے سوال ہے　　اے محرم آہ فائدہ افشائے راز کا
گستاخ نالے فتنۂ محشر جگائیں گے　　خوابِ عدم میں چین ہے گر خوابِ ناز کا
گر گلشنِ خلیل جلا دے تو کیا عجب　　شعلہ ہمارے سوزِ سمندر گداز کا
ناداں دل کو مرگ کا اب تک یقیں نہیں　　اللہ کیا گمان تھا عمرِ دراز کا

خود کام ہے عجب مجھے مرجانے کا ترے
کام آئے تیرے کیوں نہ لبِ جانفزا مجھے

کھو دی خزاں نے رونقِ گلزار ہائے ہائے — پژمردہ ہو گئے گلِ رخسار ہائے ہائے
پھرتی نہ تھی جو پردہ نشیں گھر میں بے حجاب — نعش اُٹھی جائے ہے سرِ بازار ہائے ہائے
سرو فتادہ قامتِ محشر خرام ہے — کیا ہو گئی وہ شوخیٔ رفتار ہائے ہائے
ہم خواب مہ جبیں کی بری آنکھ مُند گئی — کیا سو گئے ہیں طالعِ بیدار ہائے ہائے
وہ شمعِ مہر پرتو نہ جلوہ بجھ گئی — دن رات ہے فروغِ شبِ تار ہائے ہائے
ہے کچھ خبر بھی گھر مرا ویران ہو گیا — سر پھوڑ دو اپنا اب در و دیوار ہائے ہائے
اب پوچھے مجھ سے عاشقِ بیکس کی بات کون — اُس میں نہیں ہے طاقتِ گفتار ہائے ہائے
روتا ہوں جان کو ملک الموت کی فدا — کر میرے ساتھ تو بھی تو غمخوار ہائے ہائے
اے چرخِ یار کش تجھے پاسِ وفا نہیں — ہیں اور رنج محنت و آزار ہائے ہائے
اس مہروش کی مرگ نے خفاش کر دیا — ہے اضطرابِ مانعِ دیدار ہائے ہائے

نظارہ ہے محرّکِ ماتمِ ہزار حیف
ابرو ہوا ہلالِ محرّم ہزار حیف

مدفن ہے زیرِ چمن وا مصیبتا — معدوم ہو وہ غنچہ دہن وا مصیبتا
جس نازنیں صنم پہ گراں تھا حریرِ چین — اُس کا غلافِ کعبہ کفن وا مصیبتا
اے منکر و نکیر کو ناچار وہ جواب — جو ہو سکے کرے نہ سخن وا مصیبتا

جس کو شکستنِ دلِ عاشق عذاب ہو — وہ اور جاں کسی کے سخن دامعیبتا
جو عرضِ مہرِ تازہ، مہ سے ہو سرنگوں — اُس پر جفائے چرخِ کہن دامعیبتا
تشبیہ آئینہ سے جو ہوتا تھا آب آب — مل جائے خاک میں وہ بدن دامعیبتا
دیتے تھے حور وش بھی جسے آرامِ دل پہ جاں — اُس کا غمِ ہلاک شدن دامعیبتا
جو مرد مر سے ڈرتے تھے جسکے ہاتھ پاؤں — وہ زیرِ بار ہو تا ب کفن دامعیبتا
جو گو جس کی بونے ملا یا تھا خاک میں — ہے اُس کی خاک در تعفن دامعیبتا
وہ خانہ باغِ عیش محل جس کا نام تھا — کہتے ہیں اُس کو بیتِ حزن دامعیبتا

کیا اعتبار دہر کا عبرت کی جا ہے یہ
عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ

کیا میرا استدعا ہے سنگِ مزار حیف — چھاتی کا پتھر اُن کی ہوا انتظار حیف
یارب زمیں پھٹے کہ سما جاؤں ورنہ کیا — لیلیٰ کو منہ دکھائیگا وہ رہ غبار حیف
ہوں غرق آبِ شرم کہ ڈوبا نہیں ہنوز — بے آبروئی قطرۂ اشکبار حیف
اے مرگ چشمِ لطف کہ حسرت سی مرتے دم — دیکھا کئے وہ میری طرف بار بار حیف
رکھتے تھے اُن کو جان قیامت میں خاک سے — کس منہ سے سر اُٹھائینگے ہم شرمسار حیف
دل کی لگی نہ آتشِ یاقوت کو ہوا — کیا خاک ہو گیا گھر آب دار حیف
جو گلرخوں کی قبر پہ جاتا نہ تھا کبھی — چڑھتے ہیں اُسکی گور پہ اب گل ہزار حیف
ہر دم زمیں کو زلزلہ میری طپش سے ہے — وہ شوخ خاک میں بھی رہا بیقرار حیف

اللہ مرگ کی بھی بر آئے نہ آرزو مایوس ہو گیا دلِ اُمیدوار حیف
زندہ رہوں میں اور وہ مر جائے ہم نفس کیا اعتبار ہستیٔ بے اعتبار حیف

یہ نیم جاں بھی کاش اجل کی پسند ہو
شیون کا غلغلہ مرے گھر سے بلند ہو

وہ مہر جلوہ ریز زمیں اے فلک دریغ گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ
ایسے مہ دو ہفتہ کو رنجِ خسوف ہو دوراں کا اعتبار نہیں اے فلک دریغ
ہرگز سوائے روزِ قیامت نہ ہو صعود اتنا ہبوط زہرہ جبیں اے فلک دریغ
یوسف لقا و گرگِ اجل اے زمانہ آہ عیسیٰ نفس ہو مرگ گزیں اے فلک دریغ
ظالم تری کدورت بیجا کو کیا کہوں نایاب ہو وہ دُرِ ثمیں اے فلک دریغ
کیوں نے گیا بہشت میں اُس رشکِ حور کو پیدا کہاں ہیں ایسے حسیں اے فلک دریغ
سوچا نہ کچھ اعادۂ معدوم ہے محال نسیاں جو ہر وہمیں اے فلک دریغ
سوزِ غضب سے ہی کُرۂ نار سینہ میں اِک مشتِ خاک اور یہ کیں اے فلک دریغ
اُس کو کہ جس کا نقشِ قدم رشکِ مہر ہو کرتے ہیں خاک مال کہیں اے فلک دریغ
یہ نالہائے شعلہ فشان و زبانہ زن پھونکیں گے تا بعرشِ بریں اے فلک دریغ

ہم پائمالِ مرگ بھی اب سر اُٹھائیں گے
جیتے رہے تو حشر کو جہاں بلائیں گے

اے جوشِ نالہ کاوشِ ہر دم کہاں تلک یوں موت سے شکایتِ پیہم کہاں تلک

اس مہروش کو رونے ہنسنے سے کیا حصول — اے رشکِ بے قرارئ شبنم کہاں تلک

گردن جھکی ہوئی بھی وہی بارِ دوش ہے — اے دل خیال! بہرِ سرِ خوش غم کہاں تلک

جل جل کے میرے دل کی طرح خاک ہو گیا — اے آہ سینہ سوز سے ہمدم کہاں تلک

میں صحن اُس کے گھر کا سمجھتا ہوں گور کو — اللہ مجھ سے تنگ ہے عالم کہاں تلک

سینے کے سارے آبلے ناسور ہو گئے — اے دستِ عیش وصل کا ماتم کہاں تلک

ہے جستجوئے یار میں سعیِ رہِ عدم — اے شوق دیکھئے کہ رہے دم کہاں تلک

تاثیر کو بھی آ گئی موت اُس کے رنج سے — کھایا کروں اُمیدِ اثر سم کہاں تلک

اس زندگی سے میرا دم آیا ہے ناک میں — آخر تحملِ قلق و غم کہاں تلک

اللہ سینہ کوبیوں سے ہاتھ تھک گئے — پیٹیں گے اپنی جان کو یوں ہم کہاں تلک

اے مرگ اس عذاب سے آ کر چھڑا مجھے
مومن ہوں قید خانہ ہے دار الفنا مجھے

کچھ اچھی کتابیں

انتخابِ اصغر	از جلیل نقوی	ڈیڑھ روپیہ
انتخابِ حسرت	از جلیل قدوائی	ڈھائی روپیے
انتخابِ سودا	از علامہ ثاقب لکھنوی	سوا روپیہ
انتخابِ غالب	از ممتاز حسین	دو روپیے
لکھنؤ کی دبستانِ شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	تیرہ روپیے
تاریخ ادبِ اردو	ڈاکٹر اعجاز حسین	سات روپیے
مذہب کا اثر اردو شاعری پر	ڈاکٹر اعجاز حسین	ساڑھے پانچ روپیے
اردو نثری ادب	ابوالخیر کشفی	ساڑھے چار روپیے
تنقیدیں اور خاکے	جلیل قدوائی	تین روپیے
آغا حشر اور ان کے ڈرامے	وقارِ عظیم	ساڑھے چار روپیے
پیامِ شباب	ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری	دو روپیے
جرأت اور ان کی عشقیہ شاعری		ڈیڑھ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر		ایک روپیہ بارہ آنے

ملنے کا پتہ:

اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

انتخاب حسرت

حسرت کی غزل مشرق عشق کی ایک دنیا ہے ۔ اس میں حیات معاشقہ کی صدیاں آباد نظر آتی ہیں ۔ جب غزل اپنا وقار کھو بیٹھی تھی تو حسرت نے آسے نیا بانکپن دیا،

حسرت عہد جدید میں آردو غزل کے مسیحا ہیں ۔ جن کی جاں پروری نے غزل کو زندہ کردیا ہے ۔

حسرت کے یہاں ''تہذیب عاشقی،، کی جو پاسداری ہے وہ آردو شاعری میں کہیں اور نہیں ملتی ۔

تو نے حسرت کی عیاں تہذیب رسم عاشقی
اس سے پہلے اعتبار شان رسوائی نہ تھا

یہ انتخاب حسرت موہانی کی چھپن سالہ شاعری اور نیرہ دیوانوں کا نچوڑ ہے اور جلیل قدوائی جیسے حسرت پرست اور حسرت شناس نے انتخاب کیا ہے ۔ جلیل قدوائی نے کلام حسرت کا سبد گل کچھ اس طرح سجایا ہے کہ ہر شعر پر آپ آن کے ذوق انتخاب کی داد دیں گے ۔

انتخاب کے ساتھ جلیل قدوائی کا مقدمہ بھی ہے جس کے مطالعے سے حسرت کی زندگی اور شاعری کی عظمتوں کے مختلف گوشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں ۔ مجلد خوبصورت گردپوش سے مزین ۔ قیمت ڈھائی روپے ۔

اردو اکیڈمی سندھ کراچی

Price : Rs. 2—0—0